عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ ختمِ نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

جلد ۲۴ | ۴/تا۱۰/شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ مطابق ۹تا۱۵/ستمبر ۲۰۰۵ء | شمارہ: ۳۴

قیمت: ۸ روپے

رسومِ جاہلیت یا اتباعِ سنت؟

مسلمان حکمرانوں کا تابناک ماضی

عقیدۂ رسالت

انسانی حقوق کی تاریخ

مغربی تناظر میں

نئی نسل کو قادیانیت سے بچائیے

Email: editorkn@yahoo.com

Website: http://www.khatme-nubuwwat.org
http://www.khatm-e-nubuwwat.com

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

آپ کے مسائل

نماز، روزوں کی پابند مگر شوہر اور بچوں سے لڑنے والی بیوی کا انجام:

س:...... ایک عورت جو بہت ہی نماز روزہ کی پابند ہے کسی حالت میں بھی روزہ نماز نہیں چھوڑتی ہے۔ یہاں تک کہ بیماری کی حالت میں روزہ رکھتی ہے اور صبح شام قرآن مجید کی بھی تلاوت کرتی ہے اس کے سات بچے ہیں جو کہ سب ہی اعلیٰ تعلیم پا رہے ہیں مگر وہ عورت بہت ہی غصے والی اور ضدی بھی بعض موقع پر بچوں اور شوہر سے لڑ پڑتی ہے یہاں تک کہ غصہ کی وجہ سے ان لوگوں سے ماہ دو ماہ تک بولنا ترک کر دیتی ہے یہاں تک کہ شوہر اور بچوں کو مرنے کی بد دعائیں دیتی رہتی ہے مگر اپنی نماز بدستور پڑھتی ہے غصہ اتنا زیادہ ہے کہ شوہر اور بچوں کی ہر بات پر جو صحیح بھی ہوتی ہے تو بھی غصہ میں آ جاتی ہے اس کی مرضی کے خلاف اگر کوئی بات ہو جاتی ہے قیامت برپا کر دیتی ہے جبکہ مسلمان کو ۳ روز سے زیادہ غصہ رکھنا حرام ہوتا ہے تو کیا ڈیڑھ دو ماہ غصہ رکھ کر نماز، روزہ اور کوئی عبادت قبول ہوتی ہے کہ نہیں؟ اور ایسی حالت میں نماز، روزہ ہو سکتا ہے کہ نہیں جب کہ ایک مسئلہ میں آپ فرماتے ہیں بغیر عذر کے مسجد اور جماعت کو ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے یہاں تو غصہ حرام ہے اور اس حرام کے ساتھ نماز روزہ اور کسی عبادت کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟

ج:...... نماز، روزہ تو اس خاتون کا ہو جاتا ہے اور کرنا بھی چاہئے لیکن اتنا زیادہ غصہ اس کی نیکی کو برباد کر دیتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ایک عورت نماز، روزہ بہت کرتی ہے مگر ہمسائے اس سے نالاں ہیں۔

فرمایا: "وہ دوزخ میں ہے۔" عرض کیا گیا کہ ایک عورت فرائض کے علاوہ نفلی نماز تو زیادہ نہیں پڑھتی مگر اس کے ہمسائے اس سے بہت خوش ہیں فرمایا: "وہ جنت میں ہے۔"

خصوصاً کسی خاتون کی اپنے شوہر اور اپنے بچوں سے بد مزاجی تو سو عیبوں کا ایک عیب ہے، ایسی عورت کا آخرت میں تو انجام ہو گا سو ہو گا اس کی دنیا بھی اس کے لئے جہنم سے کم نہیں اور اگر اس کے شوہر صاحب اور بچے بھی (جو بالغ ہوں) نماز روزے کے پابند نہیں تو جو انجام اس عورت کا ہو گا وہی ان کا بھی ہو گا۔

بچے کا پیشاب پڑنے پر چیز کا ناپاک ہونا:

س:...... اگر مٹی کے برتن پر بچہ پیشاب کر دے تو کیا اس برتن کو ضائع کر دینا چاہئے یا نہیں؟ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ کسی معمولی غذا پر بچہ پیشاب کر دے تو لوگ اسے ضائع کر دیتے ہیں، لیکن اگر غذا قیمتی ہو تو دھو کر کھا لیتے ہیں، حالانکہ پیشاب لازمی طور پر غذا کی گہرائی تک گیا ہو گا، ایسے موقعوں پر کیا حکم ہے؟

ج:...... مٹی کا برتن تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا، یعنی اس طرح دھوئے کہ ہر مرتبہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے، جس غذا پر بچہ پیشاب کر دے، اس کا کھانا درست نہیں۔ البتہ اسے ایسی جگہ رکھ دیا جائے کہ کوئی جانور خود آ کر اسے کھا لے۔

برتن پاک کرنے کا طریقہ:

س:...... اگر کچا برتن (گھڑا) وغیرہ ناپاک ہو جائے یا پکا برتن (دیگچی، بالٹی) وغیرہ ناپاک ہو جائے تو کیسے پاک کریں؟

ج:...... برتن کچا ہو یا پکا تین بار دھونے سے پاک ہو جاتا ہے۔

واشنگ مشین سے دھلے ہوئے کپڑوں کا حکم:

س:...... کیا واشنگ مشین سے دھلے ہوئے ناپاک کپڑے پاک ہو جاتے ہیں اور کیا ان سے نماز ہو سکتی ہے؟

ج:...... دھلائی مشین میں صابن کے پانی میں کپڑوں کو دھویا جاتا ہے اور پھر اس پانی کو نکال کر اوپر سے نیا پانی ڈالا جاتا ہے اور یہ عمل بار بار کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ کپڑوں سے صابن نکل جاتا ہے، اس لئے دھلائی مشین میں دھلے ہوئے کپڑے پاک ہیں۔

ہفت روزہ ختم نبوۃ

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم

حضرت مولانا [illegible] صاحب دامت برکاتہم

جلد ۲۴ شمارہ ۳۴ ، ۱۰ تا ۲۲ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ مطابق ۹ تا ۱۵ ستمبر ۲۰۰۵ء

مولانا عزیز الرحمن جالندھری — مولانا محمد اکرم طوفانی — مولانا اللہ وسایا

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی احمد الرحمنؒ
حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ

مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر
مولانا بشیر احمد
صاحبزادہ مولانا عزیز احمد
علامہ احمد میاں حمادی
مولانا سعید احمد جلالپوری
صاحبزادہ طارق محمود
مولانا محمد اسمٰعیل شجاع آبادی

مولانا مفتی محمد راشد مدنی
سرکولیشن منیجر: محمد انور رانا
ڈیزائن: جمال عبدالناصر شاہد
قانونی مشیر: حشمت حبیب ایڈووکیٹ
منظور احمد میؤ ایڈووکیٹ
ٹائیٹل ڈیزائن: محمد ارشد محترم
محمد فیصل عرفان

اس شمارے میں

مبلغ ختم نبوت جناب حافظ احمد قتیلؒ	(اداریہ)	4
عقیدہ رسالت	(مولانا بلال عبدالحی حسنی)	6
رسوم جاہلیت یا اجماع سلف؟	(حضرت مولانا اشرف علی تھانوی)	9
انسانی حقوق کی تاریخ ــــ مغربی تناظر میں!	(مولانا محمد ابراہیم قاسمی)	13
مسلمان حکمرانوں کا تابناک ماضی	(مولانا محمد عابد)	18
نئی نسل کو قادیانیت سے بچایئے	(مولانا محمد اکرم طوفانی)	21
''محمد رسول اللہ'' کا قادیانی تصور	(مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ)	24

زرتعاون بیرون ملک امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۹۰ ڈالر۔
یورپ، افریقہ، متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، بحرین، قطر، مسقط، مشرق بعید، ایشیائی ممالک ۷۰ امریکی ڈالر
زرتعاون اندرون ملک فی شمارہ ۱۰ روپے، ششماہی ۲۲۵ روپے۔ سالانہ ۴۵۰ روپے
چیک یا ڈرافٹ بنام ہفت روزہ ختم نبوت اکاؤنٹ نمبر 363-6 الائیڈ بینک یا اکاؤنٹ نمبر 927-2 یونائیٹڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ کراچی پاکستان ارسال کریں

لندن آفس:
35, Stockwell Green,
London, SW9 9HZ U.K.
Ph: 0207-737-8199

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۵۸۳۴۸۶، ۵۱۴۱۲۲ فیکس: ۵۴۲۲۷۷
Hazori Bagh Road, Multan.
Ph: 583486-514122 Fax: 542277

جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A. Jinnah Road, Karachi.

ناشر: عزیز الرحمن جالندھری — طابع: سید شاہد حسن — مطبع: القادر پرنٹنگ پریس — مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راہی ملک عدم مبلغ ختم نبوت جناب حافظ احمد بخشؒ!

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت رحیم یار خان کے مبلغ حضرت مولانا حافظ احمد بخش صاحبؒ ۲۲/ اگست ۲۰۰۵ء مطابق ۱۶/ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ بروز پیر قبل از عصر لاہور کارڈیالوجی سینٹر میں انتقال فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا حافظ احمد بخش صاحبؒ ملوڈھ قوم کے چشم و چراغ تھے' والد صاحب کا نام ملک اللہ بخش تھا' بستی دادو والا موضع سومن تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان کے رہائشی تھے' حضرت مولانا احمد بخشؒ کا قد متوسط مائل بہ دراز' رنگ گندمی' جسم ہلکا' چہرہ پر چیچک کے ہلکے ہلکے داغ تھے جو بجائے خود خوبصورت لگتے تھے۔ داڑھی ورلی اور مشت بھر سے کبھی زائد نہ ہوئی۔ داڑھی کے بال ملائم اور سفید تھے' نیک طبیعت تھے' گفتگو میں کبھی فحش گوئی کو داخل نہ ہونے دیتے تھے' لیکن مناسب حد تک خوش مزاج تھے' ترش رو بالکل نہ تھے' دوستوں کے دوست تھے' خاندانی انسان تھے' جس سے دشمنی ہوگی' اسے بھی نہ بھلا پاتے تھے' قناعت پیشہ تھے' البتہ مہمانوں کے لئے دیدہ و دل فرش راہ تھے۔

حضرت مولانا حافظ احمد بخش صاحبؒ نے عیدگاہ شجاع آباد میں جناب قاری غلام حسین صاحبؒ سے قرآن مجید حفظ کیا۔ ابتدائی تعلیم شجاع آباد سے متصل گاؤں میں حضرت مولانا محمد واصل مرحوم سے حاصل کی جو بہت بڑے متبحر عالم دین تھے' اسی طرح بستی ملوک کے حضرت مولانا سید در محمد شاہ فاضل دیوبند سے کسب فیض کیا' آپ کے والد ملک اللہ بخش صاحبؒ خطیب پاکستان حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کے متوسلین اور جمعہ کے مستقل نمازی تھے۔ اس تعلق خاطر کی بنیاد پر اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ کو دارالعلوم عیدگاہ کبیروالا میں داخل کرادیا۔ آپ کے اس زمانہ کے ساتھیوں میں حضرت مولانا خدا بخش شجاع آبادی بھی ہیں۔ اس وقت آپ کے اس زمانہ کے اساتذہ میں سے محدث العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی شیخ الحدیث باب العلوم کہروڑ پکا زندہ باسلامت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو لمبی صحت والی زندگی نصیب فرمائیں۔ دورۂ حدیث شریف آپ نے جامعہ خیرالمدارس ملتان سے کیا' فراغت کے بعد اپنے گاؤں میں عرصہ تک فی سبیل اللہ حفظ قرآن کی تعلیم دیتے رہے' بیسیوں حضرات نے آپ سے قرآن مجید مکمل حفظ کیا۔

حضرت مولانا حافظ احمد بخش صاحبؒ شریف الطبع' نیک سیرت انسان تھے' آپ کی محنتوں نے علاقہ بھر میں صورت حال کو یکسر بدل دیا' علاقہ کے بہت سارے حضرات نے آپ سے حفظ مکمل کیا' دینی تعلیم حاصل کی' اس وقت وہ ملک کے طول و عرض میں خدمت اسلام کا فریضہ انجام دے رہے ہیں' جو آپ کے لئے ذخیرۂ آخرت ہے۔

موصوف سرائیکی کے رسیلے اچھے مقرر تھے' ان کی اردو بھی سرائیکی نما ہوتی تھی' آج سے تیس پینتیس سال قبل مولانا صوفی اللہ وسایا صاحبؒ ڈیرہ غازی خان میں عاشورہ محرم پر دسیوں بستیوں میں جلسوں کا اہتمام کرتے تھے۔ مولانا حافظ احمد بخشؒ کو بھی وہاں بھیجا جاتا' یوں مجلس سے ان کا تعلق قائم تھا۔ حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ سے آپ کا تعلق اور مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ سے آپ کی عقیدت بھی قابل قدر و قابل رشک تھی' خود بڑے مزے لے لے کر سناتے تھے کہ ٹبی درکھاناں نزد شجاع آباد کا چالیس پینتالیس سال سے جاری سالانہ جلسہ میں حضرت جالندھریؒ تشریف لے جاتے تو حافظ صاحب مرحوم آپ کو شجاع آباد سے لاتے۔

ایک مرتبہ حضرت جالندھریؒ کی مسئلہ خلافت پر یادگار تقریر ہوئی' آپ نے حضرات خلفائے ثلاثہؓ اور سیدنا علی المرتضیٰؓ خلیفہ چہارم کے باہمی تعلق

کو بیان کیا تو پورا مجمع پر گریہ کی کیفیت طاری تھی۔ آپ کی تقریر کے بعد سیانی عمر کے لوگوں کا کہنا تھا کہ آج حضرت جالندھریؒ کی تقریر نے رفض کے اثرات کو کان سے پکڑ کر علاقہ سے نکال دیا ہے' تب شیعہ سنی ایک دوسرے کے جلسہ میں بڑے اہتمام سے شرکت کرتے تھے۔ شیعہ حضرات بھی حضرت جالندھریؒ کی مدلل و معتدل گفتگو پر داد تحسین دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس قسم کے بیسیوں واقعات کے حافظ صاحب مرحوم چشم دید گواہ اور راوی اور صاحب واقعہ تھے۔ حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ سے آپ کی عقیدت عشق کی شکل اختیار کیے ہوئے تھی۔

انہیں جماعتی تعلقات کی بنیاد پر حضرت مولانا حافظ احمد بخش صاحبؒ ۱۹۷۹ء کے اواخر اور ۱۹۸۰ء کے اوائل میں باضابطہ طور پر مجلس کے شعبہ تبلیغ سے وابستہ ہوگئے۔ رحیم یار خان میں آپ کا تقرر ہوا اور دم آخریں تک آپ وہاں تبلیغی خدمات انجام دیتے رہے۔ میٹھی طبیعت کے انسان تھے' ہر خورد و کلاں کے دل میں گھر کر گئے۔ حضرت مولانا قاری حماد اللہ شفیق مرحوم کی صحبت' حضرت مولانا غلام ربانی مرحوم کی تربیت نے آپ کو نکھار دیا۔ ضلع رحیم یار خان میں آپ نے تبلیغی کام کی دھاک بٹھا دی' سرکلر روڈ پر آپ نے مجلس کا ملکیتی ضلعی دفتر تعمیر کرایا' ہر سال ضلعی ختم نبوت کانفرنس کراتے' جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ بڑے اہتمام سے شرکت فرماتے' اکثر و بیشتر صدارت خانقاہ دین پور کے سجادہ نشین حضرت مولانا میاں سراج احمد دین پوری مدظلہ فرماتے' سال بھر میں کم از کم ایک بار ضلع بھر کا تبلیغی دورہ رکھا جاتا' علماء و مبلغین کی مستقل جماعت گاڑیوں پر کاروان کی شکل میں چلتی اور ضلع کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کانفرنسوں اور جلسوں کا جال بچھا دیا جاتا' آپ جہاں کہیں اپنے ضلع میں قادیانی فتنہ کی شرانگیزی کی خبر سنتے' جا دھمکتے اور قادیانیت کو لگام ڈال دیتے۔ ضلع کے علماء کرام سے آپ کام لینے کا گر جانتے تھے' جہاں جاتے کامیاب واپس لوٹتے' بہت ہی دیانتدار اور اجلی سیرت کے انسان تھے' معاملات میں ایک پائی کے ادھر ادھر ہو جانے کے روادار نہ تھے۔ خالص جماعتی ذہن تھا' مجلس کا کہیں شکوہ سنتے تو شیر غراں بن جاتے تھے' بہت اچھا وقت گزارا' اللہ تعالیٰ ان کی حسنات کو قبول فرمائے اور ان کی سیئات سے درگزر فرمائے۔ (آمین)

حضرت مولانا حافظ احمد بخش صاحب کے بیٹے حافظ محمد طیب اسکول ماسٹر' حافظ محمد قاسم یونین کونسل کے سیکریٹری اور حافظ محمد طارق سیمنٹ فیکٹری غریب وال میں انجینئر ہیں۔ آپ نے تینوں بیٹوں کو خود حفظ کرایا' البتہ گردان ان کی قاری عبدالکریم کلاچوی مرحوم سے کرائی جو شاہی مسجد میں مدرس تھے۔ آپ کی تین بیٹیاں ہیں' تمام اولاد شادی شدہ ہے' آپ کے پوتے نواسے بھی دینی و دنیوی تعلیم حاصل کر رہے ہیں' بہت ہی خوش نصیب انسان تھے' خود اہلیہ اور بڑے بیٹے نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی ہے' طبیعت ٹھیک تھی' ایک آدھ بار سینے میں معمولی درد ہوا' علاج کیا تو ٹھیک ہو گئے اور زندگی کی گاڑی چلتی رہی' وفات سے دس بارہ روز قبل گھر پر رات کو تکلیف ہوئی' شجاع آباد' پھر ملتان نشتر ہسپتال دس روز تک زیر علاج رہے' ڈاکٹروں نے انجو گرافی تجویز کی' لاہور کارڈیالوجی سینٹر داخل ہو گئے' ایک دن زیر علاج رہے' ابھی انجو گرافی کے لئے ڈاکٹر صاحبان رپورٹوں کی تیاری کے مراحل طے کر رہے تھے کہ ۲۲/اگست بروز پیر ۴ بجے سہ پہر آپ کو دوبارہ تکلیف ہوئی' کلمہ طیبہ خود پڑھا' سب حاضرین کو سنایا پھر باری باری سب سے کلمہ طیبہ سنا اور پھر ان کو سنایا' گویا کلمہ طیبہ کا صحیح معنوں میں ورد کرتے ہوئے دیکھتے دیکھتے جان مالک حقیقی کو لوٹا دی' ایمبولینس کے ذریعہ آپ کی میت کو آبائی گاؤں لایا گیا' اگلے روز ۲۳/اگست بروز منگل صبح ساڑھے آٹھ بجے نماز جنازہ ہوا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی ناظم اعلیٰ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہ نے جنازہ کی امامت فرمائی' ہزاروں لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ مولانا زبیر احمد صدیقی' جناب قاری صدر الدین شجاع آبادی' جناب سید توصیف شاہ' مولانا مفتی عبداللطیف' جناب قاری محمد عبداللہ ہاشمی رحیم یار خان' جناب قاری خادم حسین لاہور' عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مولانا بشیر احمد' مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی' مولانا محمد اسحاق ساقی' مولانا عزیز الرحمٰن ثانی' رانا محمد طفیل جاوید' عزیز الرحمٰن رحمانی' قاری حفیظ اللہ' جمال عبدالناصر شاہد' بہاولپور سے جامعہ دارالعلوم مدنیہ بہاولپور کے مہتمم حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن کے علاوہ علاقہ کے سیاسی و مذہبی رہنماؤں اور رحیم یار خان سے ۱۱۶ افراد پر مشتمل وفد نے نماز جنازہ میں شرکت فرمائی اور آبائی قبرستان حاجی شہید میں سپرد خاک ہوئے۔ حق تعالیٰ ان کی قبر پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل فرمائیں۔ آمین۔

عقیدۂ رسالت

مولانا بلال عبدالحی حسنی

کوئی امتی ایسا بدبخت ہوسکتا ہے جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے منہ پھیرے‘ جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہے وہ محبت رسول کا اقرار کرتا ہے‘ لیکن ایمان کے لیے صرف زبانی اقرار کافی نہیں‘ بلکہ یہ دل کی ترجمانی ہونی چاہئے کہ یہ عقیدہ کا ایک حصہ ہے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تم میں کوئی بھی اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا‘ جب تک میں اس کو اس کے والد‘ اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔“

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر محبت اور چاہت پر غالب ہو اور اس کی کسوٹی یہ ہے کہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسری محبت یا خواہش سے تقابل آ پڑے تو مومن کا دل محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار رہے‘ ایک طرف نفس کے تقاضے ہوں والدین اور بیوی بچوں کی محبت سامنے ہو‘ لیکن ان میں سے کوئی چیز محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ٹک نہ سکے اور یہ چیز اس کے لئے سب سے محبوب ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے‘ اگر کوئی مسلمان آپ کی محبت ضروری نہیں سمجھتا تو اس کا ایمان خطرہ میں ہے۔

اس عقیدہ کے ساتھ دوسرا عقیدہ عظمت کا ہے‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہ پہلے کوئی پیدا ہوا اور نہ آئندہ کوئی وجود میں آسکتا ہے۔

”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور یہ کوئی اظہار فخر نہیں۔“ (بلکہ اظہار حقیقت ہے)

احترام و عقیدت کے جذبات دل سے امنڈنے چاہئیں اور شان اقدس میں کبھی بھی ایسی بات نہ دل میں آئے اور نہ زبان پر جاری ہو‘ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و تقدیس سے میل نہ کھاتی ہو‘ اللہ تعالیٰ نے امت کو یہاں تک حکم فرمایا کہ اپنی آواز حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک سے بلند نہ ہونے پائے‘ ورنہ بڑی سے بڑی نیکی بھی کام آنے والی نہیں ارشاد ہوا:

”اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور آپ کو بلند آواز سے نہ پکارو جب کہ ایک دوسرے کو بلند آواز سے پکارتے ہو کہ تمہارے اعمال سوخت ہوجائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔“ (حجرات:۲)

عقیدۂ رسالت کی تیسری اہم کڑی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واجب الاطاعت سمجھے‘ آپ جو فرمادیں وہ حرف آخر ہے‘ اس کے بعد چوں چرا کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی‘ اگر کسی کے دل میں یہ بات آئی کہ بلاشبہ آپ نبی تو ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات ماننا ضروری نہیں ہے تو اس کا ایمان باقی نہیں رہا۔ قرآن مجید میں بار بار یہ حکم ہے:

”اطیعوا الرسول“

ترجمہ: ”رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔“

عقیدہ رسالت کے سلسلہ کی یہ تین باتیں ایسی ہیں جو عقیدہ میں بھی داخل ہیں اور عمل میں بھی‘ ہمارا عقیدہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کوئی محبوب نہیں‘ آپ کے برابر کوئی احترام و عقیدت کے لائق نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی واجب الاطاعت نہیں‘ پھر اس کے مطابق ہمارا عمل بھی ہونا چاہئے‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایسی رچ بس جائے جو صحابہ کرامؓ کے دلوں میں تھی‘ اپنی جان نچھاور کرنے والے‘ دل و جان سے قربان ہونے والے‘ ایک اشارے پر مرمٹنے کے لئے تیار‘ دشمن بھی یہ گواہی دے رہا ہے کہ: ”میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے بادشاہوں کے یہاں گیا‘ دنیا دیکھی مگر جیسا اصحاب محمدؐ

کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے دیکھا' کہیں نہیں پایا۔"

جس طرح محبت و عظمت کے باب میں صحابہ کرامؓ پوری امت کے لئے اسوہ ہیں' اسی طرح اتباع نبی میں بھی ان سے بڑھ کر کوئی نہیں' عقیدہ ان کے دل و دماغ میں سرایت کر گیا تھا۔

شراب کا عام رواج تھا اور کتنے لوگ اس کے رسیا تھے لیکن جس لمحہ شراب کی حرمت کا اعلان ہوا لبالب جام منہ سے ہٹا دیئے گئے اور لوگوں نے دیکھا کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی۔

محبت رسولؐ، عظمت رسولؐ، اطاعت رسولؐ، ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی یہ تین اہم بنیادیں ہیں' ان کے علاوہ تین وہ بنیادی عقائد ہیں کہ جن سے مومن کو مفر نہیں' ایک عقیدہ ختم رسالت ہے دوسرا عقیدہ عصمت اور تیسرا عقیدہ بشریت ہے۔

خود قرآن مجید کا صاف اعلان ہے:

"ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔" (احزاب:۴۰)

ترجمہ: "(محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے والد نہیں' وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں)۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اعلان فرمایا:

"انا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔" (مشکوٰۃ)

ترجمہ: "میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد جس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا' وہ کذاب اور دجال ہے' وہ مسیلمہ کذاب ہو اسود عنسی ہو یا بعد کے آنے والے مدعیان نبوت میں ہوں نہ کوئی ظلی نبی ہے نہ بروزی نہ حقیقی ہے نہ تاویلی' قریبی زمانہ میں غلام احمد قادیانی نے امت کو فریب میں ڈال کر اپنے سینکڑوں متبعین پیدا کر لئے اور آج بھی اس کذاب کے ماننے والے سیدھے سادے مسلمانوں کو مختلف طریقوں پر دھوکہ دے رہے ہیں' تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ایسے دھوکہ بازوں سے ہوشیار رہیں جو ایمان پر ڈاکہ ڈالنے والے ہیں۔

عقیدہ ختم نبوت عقیدہ رسالت کی بنیاد ہے اس میں اگر رخنہ پڑا تو ایمان کی عمارت منہدم ہو جائے گی۔

دوسرا عقیدہ عصمت انبیاؑ کا ہے' نبی کو ہر گناہ سے معصوم سمجھنا عقیدہ رسالت کا اہم حصہ ہے' اگر کوئی نبی کو گناہگار سمجھتا ہے تو اس کا ایمان بھی خطرہ میں ہے' خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا فرماتے ہیں جو اس کو بھلائی پر آمادہ کرتا ہے اور ایک شیطان پیدا فرماتے ہیں جو اس کو برائی کی دعوت دیتا رہتا ہے' پھر فرمایا: "ولکن اللہ اعانی علیہ فاسلم" "میرے شیطان پر اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی تو میں اس سے محفوظ ہو گیا' بعض روایتوں میں اس کو "اسلم" پڑھا گیا یعنی وہ میرا تابع فرمان بن گیا۔

نبی اپنی امت کے لئے نمونہ ہوتا ہے' اس کی مطلق تقلید و اتباع امت کے لئے ضروری ہے' اگر امت کے دل میں اس کی عصمت کا عقیدہ نہ ہو تو امت کس طرح نبی کے اتباع کامل اور مطلق تقلید کو ضروری سمجھ سکتی ہے' جن قوموں نے بھی انبیاؑ کی عصمت کا عقیدہ نہیں رکھا اور ان کی طرف ایسی رکیک باتیں منسوب کیں جو نفوس قدسیہ کے لئے ایک دھبہ کی حیثیت رکھتی ہیں' وہ قومیں بھٹکیں اور بھٹکتی چلی گئیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

"انبیاؑ کا خطا سے معصوم ہونا اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ضروری علم و یقین کی وجہ سے ہوتا ہے' جس کے سبب نبی سمجھتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے جو چیز پا رہا ہے اور سمجھ رہا ہے وہ حقیقت کے عین مطابق ہے اور اسے ایسا یقین ہوتا ہے گویا کہ حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔"

مزید فرماتے ہیں:

"اور لوگوں کو اس کی عصمت کا یقین نبی کی عقلی اور خطابی دلیلوں سے ہوتا ہے کہ اس کی دعوت ایسی سچی اور اس کی سیرت ایسی صالح ہے جہاں کذب کا گزر نہیں اور بھی اس کے خدا کے قریب ہونے کا بھی مشاہدہ انہیں معجزات اور اس کی دعاؤں کی مقبولیت سے ہو جاتا ہے' یہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ انہیں نبی کی تعلیم و دعوت کی عظمت کا احساس ہو جائے اور وہ یہ جان لیں کہ وہ ملائکہ سے رابطہ رکھنے والے نفوس قدسیہ میں سے ہیں۔""

عصمت کے ساتھ اسلام انبیاؑ کی بشریت کا قائل ہے اور یہ اسلامی عقیدہ کا ایک اہم اور ضروری جزو ہے۔

انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ اپنے لئے نمونہ تلاش کرتا ہے' اس کے لئے صرف افکار و نظریات کافی نہیں ہوتے' بلکہ ان افکار و نظریات کی حامل ایک مثالی شخصیت بھی اس کے لئے ضروری ہے جس کو دیکھ کر وہ نقل اتار سکے اور یہ بات بھی اس کے

نہاں خانہ دل میں پیوست ہے کہ نقل اسی کی جا سکتی ہے جو اس جیسا انسان ہو‘ اگر وہ مافوق البشر کوئی ہستی ہے وہ تو یقیناً اس کے پاس وہ طاقت بھی ہوگی‘ جس کی وجہ سے وہ بہت سے ایسے کام کر سکتا ہے جو انسان نہیں کر سکتا‘ ایسی شکل میں ایک انسان اس کی نقل کیسے کر سکتا ہے‘ یہ وہ تصور ہے جو انسان اپنے آئیڈیل کے لئے قائم کرتا ہے‘ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام انسانوں ہی میں پیدا فرمائے‘ وہ انسانوں میں افضل ترین تو ہیں لیکن مافوق البشر ہستیاں نہیں ہیں‘ تا کہ انسانوں کو ان کی نقل کرنے میں اور اتباع کرنے میں کسی بھی قسم کی عقلی یا عملی رکاوٹ نہ ہو‘ آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

”آپ فرما دیجئے کہ میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں (فرق یہ ہے کہ) مجھ پر وحی آتی ہے‘ تمہارا معبود تو صرف ایک معبود ہے۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحیح احادیث میں صاف صاف یہ اعلان فرمایا ہے: ”انما انا بشر مثلکم“ (میں تمہاری طرح انسان ہوں) جس طرح یہ ایک حقیقت کا اعلان ہے‘ اسی طرح یہ انسانیت کی معراج بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان بنایا گیا ہے اور دوسرے انسانوں کے لئے آپ کی اتباع بھی آسان ہو جاتی ہے۔

ہر امتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں ان چھ باتوں کو خاص طور پر دھیان میں رکھے‘ آپ کی محبت عظمت و اطاعت کا عقیدہ اور اس کے مطابق عمل‘ ختم رسالت‘ عصمت اور بشریت کا ایسا پختہ عقیدہ ہے کہ اس میں ذرا بھی انحراف نہ ہو۔

☆☆..........☆☆

سانحہ ارتحال

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی کے مبلغ مولانا محمد طیب صاحب کی پھوپھی محترمہ بقضائے الٰہی سے انتقال کر گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔ قارئین سے دعائے مغفرت اور بلندی درجات کی درخواست ہے۔

الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ کے زیر اہتمام

زیر نگرانی
ابو عمار
زاہد الراشدی

دینی مدارس کے باصلاحیت فضلاء کے لیے

ایک سالہ خصوصی تربیتی کورس

(۲۰۰۵ء-۲۰۰۶ء)

☆ **کورس میں شامل مضامین** O حجۃ اللہ البالغہ کے منتخب ابواب O تاریخ اسلام O مسلم افکار و تحریکات O تقابل ادیان و مذاہب O سیاسیات، معاشیات اور نفسیات کا تعارفی مطالعہ O جدید مغربی فکر و فلسفہ O حالات حاضرہ O روزمرہ سائنس O انگریزی و عربی زبانیں O کمپیوٹر سائنس O مطالعہ اور تحقیق و تصنیف کی تربیت O جدید فقہی مسائل O اسلامی احکام اور وضعی قوانین کا تقابلی مطالعہ

O **شرائط و ضوابط** O

☆ کورس کا آغاز ۱۱ شوال ۱۴۲۶ھ سے ہوگا جبکہ داخلے کے لیے درخواستیں ۱۰ رمضان تک وصول کی جائیں گی۔ ☆ داخلہ ٹیسٹ اور انٹرویو میں کامیابی کی بنیاد پر ہوگا۔ ☆ داخلہ کے لیے کسی تسلیم شدہ وفاق سے شہادۃ العالمیہ کی سند اور تحقیق و مطالعہ سے مناسبت ضروری ہے۔ ☆ قیام و طعام اور تعلیم کی سہولت اکادمی کی طرف سے بلا معاوضہ فراہم کی جائے گی جبکہ باقی اخراجات طلبہ کو خود برداشت کرنا ہوں گے۔

دینی مدارس کے طلبہ کے لیے

عربی لینگویج کورس

شرکا کو کمپیوٹر ورڈنگ کا شارٹ کورس بھی کرایا جائے گا۔ داخلہ محدود ہوگا۔
درجہ رابعہ سے اوپر کے طلبہ ۲۰ رجب تک درخواستیں ارسال کر دیں۔

(۵ شعبان تا ۲۹ شعبان ۱۴۲۶ھ)

معلومات کے لیے: مولانا محمد یوسف (ناظم)
الشریعہ اکادمی، ہاشمی کالونی، کنگنی والا (پوسٹ بکس 331) گوجرانوالہ۔ فون 271741

رسوم جاہلیت یا اتباع سنت؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

"یا ایھا الذین آمنوا......ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً." (سورۂ نساء:۱۹)

آج اسی آیت سے متعلق مضمون بیان کرنا مقصود ہے۔ آج کا مضمون بالکل پھیکا ہے' مگر وعظ سے اصل مقصود دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ اصلاح ظاہرو باطن مقصود ہوتی ہے' اور اگر یہ بات حاصل ہو تو وعظ سننے کے قابل بھی ہے اور عمل کے قابل بھی ہے' اور اگر یہ بات نہ ہو تو وعظ ناقابل سماعت اور فضول ہے' اور اگر دونوں ہوں تو ہم خرما و ہم ثواب والی بات ہوگی۔

چنانچہ وعظ سننے سے اصل مقصود محض اصلاح ہونی چاہئے' اس میں لذت کا منتظر ہونا فضول بات ہے' آپ نے کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ اسے حکیم محمود خاں کے نسخے سے وجد ہوا ہو' ہاں ذوق کے کسی شعر پر وجد ہوا ہوگا' لیکن اس وجد کی وجہ سے اس نے شعر سے علاج کیا ہو کہ اس شعر کو سنا کر دو اس سے بیماری جاتی رہے گی:

"کہ دار و ئے تلخ است و دفع مرض"

(یعنی دوا بدمزہ ہوتی ہے مگر اس سے مرض دور ہوتا ہے)۔

ہاں اگر کوئی شے لذیذ بھی ہو اور مرض دور کرنے والی بھی ہو تو خوش قسمتی ہوگی' مگر لذت مقصود نہیں ہوتی' جہاں لذت رکھی جاتی ہے وہ محض بہلانے کو رکھی جاتی ہے' یہی وجہ ہے کہ ذکر میں ابتدا میں لذت ہوتی ہے' مگر بعد میں صرف فوائد رہ جاتے ہیں' اس پر ایک حکایت یاد آئی:

مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کے ایک مرید نے عرض کی کہ حضرت اب تو ذکر میں لذت نہیں آتی۔

حضرت نے فرمایا: پرانی بیوی اماں ہو جاتی ہے کہ اول اول تو اس میں لذت ہوتی ہے' مگر فوائد بعد میں بڑھتے ہیں کہ غم خوار خدمت گزار ہوتی ہے۔

بہرحال عقل والوں کے نزدیک اصل شے فوائد ہوتے ہیں' لذت نہیں۔ لہٰذا اگر مضمون میں چاشنی نہ ہو تو پروانہ کیجئے۔

عورتوں کے حقوق:

آج کل لوگوں نے عورتوں کے حقوق سے بہت کوتاہی کر رکھی ہے۔ مثلاً بچی کا نکاح بوڑھے سے کر دیتے ہیں۔ اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اگر شوہر پہلے مر گیا تو لڑکی کی زندگی خراب ہو جاتی ہے۔ کہیں یہ ظلم ہوتا ہے کہ جوان عورت کا نکاح بچے سے کر دیتے ہیں۔

میاں بیوی میں ہم عمری کی رعایت:

یہاں ایک واقعہ ہوا اور ایک بزرگ کے آنے پر اس کا پتا چلا کہ یہاں ایک ایسا نکاح ہوا ہے کہ شوہر چھوٹی عمر کا اور بیوی بہت بڑی عمر کی۔ میاں بیوی دونوں کی عمروں میں اتنا زیادہ فرق تھا کہ اگر اس عورت کے پہلوٹا لڑکا ہوتا تو شاید اس کے شوہر کے برابر ہوتا۔ مجھے یہ بات بہت ناگوار گزری' مگر یہ ناگواری عقلی طور پر تھی کہ اگر میاں بیوی کی عمروں میں مناسب تناسب ہو تو دونوں میں محبت و ہم آہنگی ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

"قاصرات الطرف اتراب"

ترجمہ: "نیچی نگاہ والی عورتیں"

(سورۂ ص:۵۲)

حوروں کی صفت ایسی ہوگی جیسے ہم عمر ہوتے ہیں۔ دوسری آیت میں ہے:

"ہم نے اٹھایا ان عورتوں کو اچھے اٹھان پر پھر کیا ان کو کنواریاں" پیار دلانے والی" ہم عمر" (سورۂ واقعہ:۳۵تا۳۷)

غرض عمر کے بہت زیادہ فرق کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان اجنبیت اور غیریت ہوتی ہے آپ دیکھئے کہ بچے کو بچے سے جیسی محبت ہوتی ہے' بڑے

سے نہیں ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ کے دور کا لکھا ایک واقعہ دیکھا ہے کہ ایک لڑکا نالی میں گھس گیا' اس لڑکے کو نکالنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی' کیونکہ اسے بلاتے اور نکالنا چاہتے' وہ اندر ہی اندر گھسا جاتا' یہاں تک کہ اس بچے کے نیچے گر پڑنے کا اندیشہ ہوا' لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مسئلہ عرض کیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ اسے کچھ مت کہو' ایک اور لڑکے کو اس کے سامنے بٹھا کر کھیل میں مشغول کرو' چنانچہ ایسا ہی کیا گیا' باہر بچے کو کھیلتا دیکھ کر نالی کے اندر بیٹھا بچہ بھی باہر نکل آیا اور اس کے ساتھ کھیلنے لگا۔

طبیب کی ہوشیاری

ایک حکایت اور یاد آئی:

دیوبند کے ایک طبیب بادشاہ کے ہاں امیدوار بن کر کئی دن رہے' مگر تقرر نہ ہوا' اس دوران چھوٹے شاہزادے نے روزہ رکھا' عوام میں روزے کا زیادہ اہتمام ہے' نماز کا نہیں ہے' حالانکہ نماز کے متعلق تو یہاں تک حکم ہے کہ اول کھڑے ہو کر پڑھو' کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھو' بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکو تو لیٹ کر اشاروں سے پڑھو' جب اشارے سے بھی نہ پڑھ سکو موخر کردو' مگر نماز معاف پھر بھی نہیں ہوئی' جب جسم میں طاقت آجائے گی تو ان نمازوں کو قضا کرنا پڑے گا' پھر سات برس کی عمر میں بچے کو نماز پڑھوانے کا اور دس برس کی عمر میں مار پیٹ کر نماز پڑھوانے کا حکم ہے' جبکہ روزے میں یہ خاص اہتمام نہیں ہے بلکہ جب تحمل ہو تو روزہ رکھو اور روزے کا تحمل نہ ہو تو افطار کر لینا جائز ہے' پھر جب طاقت آجائے گی تو قضا لازم ہوگی اور طاقت نہ آئے تو فدیہ بھی سے سکتے ہیں' مگر لوگوں کو روزے کا ایسا شوق ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک جگہ چار برس کے بچے کو روزہ رکھوایا' ایک جگہ ذرا سی لڑکی کو روزہ رکھوادیا۔ اسی طرح بعض مرتبہ یہ روزہ ''روضہ'' (قبر) میں بھی لے جاتا ہے' ایک مرتبہ ایک رئیس زادے سے روزہ رکھوایا گیا' گرمی کے دن تھے' دوپہر تک تو بے چارے نے نباہا' مگر عصر کے وقت پیاس سے سخت پریشان ہوا' رئیس زادے کے باپ نے اپنے بیٹے کی روزہ کشائی کا بہت اہتمام کیا تھا' تمام خاندان اور دوستوں کی دعوت تھی' آخر رئیس زادے کو بہلایا کہ کچھ دیر اور ٹھہر جاؤ اور صبر کرو' مگر اس بے چارے کو تاب کہاں تھی' اس نے لوگوں کی خوشامدیں اور منتیں کیں' مگر کسی نے اسے ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیا' آخر وہ رئیس زادہ خود اٹھا اور جاکر برف کے مٹکوں سے جا لپٹا کہ کچھ تو پانی سے قرب ہو' مٹکے سے لپٹتے ہی رئیس زادے کی جان نکل گئی' اس کا وبال اس کے بے رحم ماں باپ پر ہوا۔

صاحبو! شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر بالغ کی بھی جان نکلنے لگے تو روزہ توڑ دینا واجب ہے' مگر اہل رسوم کے نزدیک معصوم بچے کو بھی روزہ توڑنے کی اجازت نہیں۔ خدا کو ایسے روزے کی ضرورت نہیں ہے' خدا کو تم سے زیادہ تم پر رحمت ہے' بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تم سے زیادہ تم پر شفقت ہے:

''النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم''

ترجمہ: ''مسلمان کو جتنا خیال اپنے نفس کا ہوتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ مسلمانوں کا لحاظ ہوتا ہے۔''

(سورۃ الاحزاب:۶)

تو جب مکلف کو یہ حکم ہے کہ ایسے وقت میں روزہ توڑ دے تو چار پانچ برس کا بچہ کس شمار میں ہے؟ اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ شریعت میں اتنی سہولت و شفقت ہے کہ اتنی تم بھی اپنے ساتھ نہیں کر سکتے۔

بہرکیف بات بات چل رہی تھی شاہزادے کے روزہ رکھنے کی' شاہزادہ بھی روزے سے پریشان تھا' اطبا سے پوچھا گیا تو انہوں نے روزہ توڑنے کو کہا' بادشاہ کو یہ رائے پسند نہ آئی کیونکہ سارا اہتمام خاک میں ملتا نظر آرہا تھا' افسوس! دین میں بھی دنیا ہی مقصود ہے' بچے کی جان جاتی ہے اور بادشاہ کو اپنے اہتمام کی فکر ہے۔ خیر اس وقت امیدوار طبیب نے کہا کہ میں ایک ترکیب بتاتا ہوں' آپ چند لڑکوں کو بلا کر حکم دیجئے کہ شاہزادے کے سامنے لیموں کاٹ کاٹ کر چوسیں' چنانچہ چند بچے بلائے گئے' انہوں نے شاہزادے کے سامنے لیموں چاٹنا شروع کئے تو شاہزادے کے منہ میں پانی بھر آیا' طبیب نے شاہزادے سے کہا کہ یہ پانی نگل لو! اس تدبیر سے شاہزادے کا حلق تر ہوگیا اور پیاس کم ہوگئی' بادشاہ کو بہت اطمینان ہوا اور اس طبیب کو اسی دن افسر الاطبا مقرر کردیا گیا' اس حکایت میں میرا مقصد یہ ہے کہ عمر کی رعایت بہت ضروری ہے' خاص کر میاں بیوی میں۔ طبعی امر تو ہے ہی مگر قدر شرعی بھی ہے اور شریعت بھی قابل التفات ہے۔

حضرت فاطمہؓ کا نکاح:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لئے پہلے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پیغام دیا' پھر حضرت عمرؓ نے ان کے لئے پیغام بھجوایا' ان دونوں کو یہ شرف حاصل تھا کہ ان کی صاحبزادیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں اور چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہونے کا شرف انہیں حاصل ہوجائے' مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انا

"الصغیرۃ" کہ وہ کم سن بہت ہے۔ ان حضرات (حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ) کی عمر زیادہ تھی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کی عمروں کے فرق کی رعایت رکھ کر دونوں صاحبوں کی درخواست رد فرمادی' اس کے بعد ان دونوں حضرات نے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ تم حضرت فاطمہؓ سے نکاح کی درخواست کرو' امید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمالیں گے' افسوس ہے کہ اس کے باوجود لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صحابہ میں کشاکش تھی نعوذ باللہ ذالک ظن اللذین کفروا فویل للذین کفروا من النار یعنی ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں' یہ کافر لوگوں کے خیالات ہیں' پس بربادی ہے ان کافروں کے لئے وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔ (سورۂ ص:۲۷)

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے خود حضرت علیؓ کو حضرت فاطمہؓ سے نکاح کے لئے رائے دی' کیا اسی کو عداوت کہتے ہیں؟ عداوت تو اس کو کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے راستے رکاوٹ ڈالتے' نہ کہ خود مشورہ دیتے۔ چنانچہ حضرت علیؓ حاضر ہوئے' مگر چونکہ کم سن تھے' اس لئے ذرا شرمندہ ہوئے اور زبان سے کچھ کہہ نہ سکے' مگر دیکھو' خبردار! شیخین پر بھی یہ اعتراض نہ کرنا کہ بے حیا تھے' یہاں تو معاملہ صرف بیٹی مانگنے کا تھا' بعض مرتبہ تو باپ نے خود اپنی بیٹی کے لئے پیام دیا ہے' لہٰذا جب حضرت حفصہؓ پہلے شوہر سے بیوہ ہوئیں تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمان غنیؓ سے کہا کہ میری بیٹی حفصہؓ بیوہ ہوگئی ہے' اس سے تم نکاح کرلو' بات یہ ہے کہ وہاں ہندوستان کی سی رسم نہ تھی کہ باپ کا خود بیٹی کے لئے رشتے کا کہنا حرام سمجھتے ہیں' حضرت عثمان غنیؓ نے کہا کہ میں سوچ کر جواب دوں گا' چنانچہ انہوں نے عذر کردیا' اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضرت عمر فاروقؓ نے کہا کہ حفصہؓ بیوہ ہوگئی ہے' اس سے آپ نکاح کرلیجئے' انہوں نے بھی وہی جواب دیا کہ سوچوں گا' پھر کوئی جواب نہ دیا۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حفصہؓ کے لئے پیغام آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کردیا' بعد میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ملے' حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ میرے کچھ جواب نہ دینے پر آپ خفا ہوگئے ہوں گے؟ بھائی! ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حفصہؓ کا ذکر فرماتے ہوئے سنا تھا' اس لئے خاموش ہوگئے کہ نہ خود قبول کرسکتے تھے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ظاہر کرسکتے تھے' صاف جواب دینے میں شبہ تھا کہ تم کہیں اور منظور نہ کرلو۔

غرض عرب میں ایسی بے تکلفی تھی کہ باپ اپنی بیٹی دیتے ہوئے نہیں شرماتا تھا بلکہ خود عورتیں آکر عرض کرتیں کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم سے نکاح کرلیجئے' ایک مرتبہ حضرت انسؓ کی لڑکی نے کہا کہ یہ عورت کیسی بے حیا تھی؟ حضرت انسؓ نے کہا کہ تجھ سے اچھی تھی کہ اس نے اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کردی' غرض عرب میں یہ کوئی عیب نہ تھا۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم بھی ایسا ضرور کریں' لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' باقی اگر کوئی شرم وحیا سے ایسا نہ کرے تو وہ کوئی فرض نہیں چھوڑ رہا' اور شرم وحیا تو کم وبیش لڑکوں میں بھی ہونی ضروری ہے کہ یہاں بہت سے فتنے پھیل رہے ہیں اور ان سب کا انسداد حیا سے کیا جاسکتا ہے' اور حیا کی روز بروز کمی ہوتی جارہی ہے' جس قدر حیا ہم نے اپنی ابتدائی عمر میں لڑکوں میں دیکھی ہے' اب لڑکیوں میں بھی دیکھی نہیں جاتی' اور اب بھی جس قدر بوڑھوں میں ہے' وہ نوجوانوں میں نہیں' حیا کی اس کمی کی وجہ خرابیاں بڑھتی جاتی ہیں' اس لئے کم وبیش حیا کا ہونا بہت ضروری ہے۔

خیر! حضرت علیؓ آکر چپ بیٹھ گئے اور شرم کی وجہ سے زبان نہ ہلا سکے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خبر ہوگئی ہے تم فاطمہؓ کا پیغام لے کر آئے ہو' سو مجھ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کہہ گئے ہیں کہ خدا کا حکم ہے کہ علیؓ سے فاطمہؓ کا نکاح کردیا جائے۔ چنانچہ منگنی ہوگئی' مگر ایسے نہیں کہ لال ڈوری ہو' کوئی جوڑا ہو' مٹھائی تقسیم ہو' آج لوگ کہتے ہیں کہ منگنی میں یہ باتیں ہونے سے منگنی میں پختگی ہوجاتی ہے۔ صاحبو! میں نے غیر پختہ منگنی جڑتے ہوئے اور پختہ منگنی ٹوٹتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے' اس لئے یہ سب اوہام ہیں کہ اس طرح پختگی ہوتی ہے' اگر ایسا ہو تب بھی ہم کو وہ کرنا چاہئے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

کھانے میں اتباع:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا اہتمام تھا کہ انہوں نے کھانے کی حدیثیں ضبط کی ہیں۔ مثلاً "انی اکل کما یاکل العبد" کہ میں تو اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے۔ سو تم بھی ایسے ہی کھاؤ جیسے غلام کھاتا ہے۔

دیکھو! ہم سب خدا کے غلام ہیں اور ہر وقت خدا کے سامنے ہیں' تو اس طرح کھانا چاہئے جیسے آقا کے سامنے غلام' حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکڑوں (گھٹنوں کے بل) بیٹھ کر کھانا کھاتے

تھے' اس انداز میں بھی بڑی مصلحت ہے کہ پیٹ رانوں سے مل کر دب جاتا ہے تو کھانا حد سے زیادہ نہیں کھایا جاسکتا' جس سے پیٹ بھی نہیں بڑھ سکتا جیسا کہ بعض لالچی لوگوں کا پیٹ بڑھ جاتا ہے' ایک پیر صاحب تھے ان کا پیٹ بہت بڑھ گیا تھا' ایک مرید نے کہا کہ اس کا کیا سبب ہے؟ فرمایا کہ کتا مر کر پھول جاتا ہے اور میرا نفس بھی چونکہ مر چکا ہے' اس لئے پھول گیا ہے' غرض بہت سے لوگ پھولتے ہی چلے جاتے ہیں۔ شریعت کو اعتدال مطلوب ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اکڑوں بیٹھ کر کھاؤ' اکڑوں بیٹھنے میں تواضع اور انکسار بھی ہے۔ بعض لوگ فرعون کی طرح بیٹھ کر کھاتے ہیں' ایک بزرگ سے میں نے حکایت سنی کہ انھوں نے ایک رئیس زادے کو دیکھا کہ وہ گاؤ تکیہ لگائے ہوئے کھانا کھا رہا ہے' سینے پر ایک رومال پڑا ہوا تھا تاکہ شوربا وغیرہ گرے تو کپڑے خراب نہ ہوں' کچھ تو وہ موٹے بہت تھے اور کچھ تکبر بھی بہت کرتے ہیں' بعض لوگ اس قدر موٹے ہوجاتے ہیں کہ عظیم آباد میں ایک رئیس کو استنجا نوکر کراتے تھے:

مکن رحم بر مرد بسیار خور
کہ بسیار خور است بسیار خوار
نہ چنداں بخور کز دہانت برآید
نہ چنداں کہ از ضعف جانت برآید

ترجمہ: "زیادہ کھانے والے آدمی پر رحم نہ کرو' کیونکہ زیادہ کھانے والا ذلیل ہوتا ہے' نہ تو اتنا زیادہ کھا کہ تیرے منہ سے نکلنے لگے اور نہ اتنا کم کھا کہ کمزوری سے تیری جان نکلنے لگے۔"

غرض اکڑوں بیٹھنے میں مصلحت یہ ہے کہ کھانا زیادہ نہ کھایا جائے' اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جلدی جلدی کھانا کھاتے تھے' آج کل یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو جلدی کھائے' وہ لالچی ہے' ذرا بتاؤ اگر کسی نوکر کو اس کا آقا کوئی چیز دے تو اس کی قدر کروگے یا بے قدری؟ یقیناً قدر کروگے اور ظاہر بھی کرنا چاہو گے کہ ہمیں اس کی قدر ہے' تو کیا خدا کی دی ہوئی چیز قدر کے قابل نہیں؟ اور کیا قدر کا یہ طریقہ ہے کہ نزاکت کے ساتھ آہستہ آہستہ کھایا جائے' جس سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ بھوک نہیں یا رغبت نہیں' یا یہ طریقہ صحیح ہے کہ خوب جلدی جلدی اس پر جھک کر کھایا جائے' جس سے معلوم ہو کہ بڑا ہی شائق ہے اور اس کو کھانے سے بہت ہی رغبت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی قدر کی اور اس کے لئے خود کو محتاج ہونا اپنے عمل سے ظاہر کیا' اور قول سے بھی کہ کھانے کے بعد کی جو دعا ہے اس میں فرمایا: "غیر مستغنی عنہ ربنا" یعنی اے ہمارے رب ہم اس کھانے سے مستغنی نہیں' عمر بھر حاجت رہے گی۔

ہدیہ لینے کا ادب:

یہاں ایک اور ادب کی بات بتاتا چلوں' آج کل یہ چلن عام ہوگیا ہے کہ جب پیروں کے سامنے لاکر کچھ پیش کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے' مگر جی چاہا اس لئے یہ ہدیہ لیتا آیا اور پیر اس سے خوش ہوتے ہیں' حالانکہ ان کو اس وقت اپنی ضرورت ظاہر کرنی چاہئے۔ صاحبو! یہ استغنا اور بے نیازی محض پیٹ بھرائی ملنے کی وجہ سے ہے' ذرا ایک وقت کھانے کو نہ ملے تو پھر دیکھئے پیر صاحب کا استغنا دھرا رہ جائے گا' انسان کو نہ ایسا استغنا کرنا چاہئے کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے بھی استغنا کرنے لگے اور نہ ایسا لالچی ہو کہ "اشعب طماع" بن جائے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ' فرمایا کرتے تھے کہ آج کل تو پیروں کی یہ حالت ہے کہ جہاں مرید نے سر کھجایا سمجھے کہ پگڑی سے روپے نکال کر دے گا۔

"اشعب طماع" عرب میں ایک بڑا ہی لالچی شخص گزرا ہے' اسے ایک مرتبہ لڑکوں نے چھیڑا تو ٹالنے کی غرض سے کہنے لگا کہ دیکھو فلاں جگہ کھانا پک رہا ہے' وہاں جاؤ' لڑکے اس طرف کو ہولئے تو خود بھی ان کے پیچھے پیچھے ہولیا کہ شاید یہ بات سچ ہی ہو' جو اتنے لڑکے اس طرف جا رہے ہیں۔ آج کل بعض کی یہی حالت ہے اور بعض کو اگر استغنا ہوا ہے تو اتنا استغنا کرتے ہیں کہ جہاں شریعت حکم دے وہاں بھی استغنا برتتے ہیں' ہماری تو یہ حالت ہے کہ:

چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی
چونکہ خوردی تند و بدرگ می شوی

ترجمہ: "جب تو بھوکا ہوتا ہے کتے کی طرح خوشامد کرتا اور دم ہلاتا ہے' پیچھے پیچھے پھرتا ہے اور جب پیٹ بھر جاتا ہے تو سخت طبیعت اور سرکش ہوجاتا ہے۔"

بہرحال استغنا عن اللہ کوئی چیز نہیں ہے۔ خدا کا رزق قابل استغنا نہیں' اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قول و فعل دونوں سے ظاہر فرمایا ہے۔

☆☆..........☆☆

انسانی حقوق کی تاریخ

مغربی تناظر میں

مولانا محمد ابراہیم قاسمی

اسلام کے عطا کردہ انسانی حقوق و تحفظات کو بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انسانی حقوق کی ارتقائی تاریخ کے حوالے سے اہل مغرب کے تصور گزشتہ تین چار صدیوں سے جاری ان کی جدوجہد پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے۔

مغرب میں انسانی حقوق کی بازیابی کی جدوجہد اور ان کے حصول کو ممکن بنانے کی کوششوں کا اصل آغاز گیارھویں صدی میں برطانیہ سے ہوا' پھر چودھویں صدی میں جا کر جمود و تعطل کا شکار ہو گیا اور پورے یورپ پر میکیاولی کے نظریات کا غلبہ رہا' جس نے آمریت کا استحکام بخشا' بادشاہوں کے ہاتھ مضبوط کئے' کمزوروں کو دبایا اور ان کے حقوق سلب کئے' یہ سلسلہ سترھویں صدی تک جاری رہا' اس کے بعد ان میں دوبارہ انسانی حقوق کا شعور بیدار ہوا اور آج تک بیدار ہے۔ لیکن اہل مغرب بنیادی انسانی حقوق کی ارتقائی تاریخ کا آغاز پانچویں صدی قبل مسیح' یونان سے کرتے ہیں:

"اہل مغرب بنیادی انسانی حقوق کے تصور کی ارتقائی تاریخ کا آغاز پانچویں صدی قبل مسیح کے یونان سے کرتے ہیں اور پھر پانچویں صدی کے زوال پذیر روم سے اپنی سیاسی فکر کا ناتہ جوڑتے ہوئے وہ ایک ہی زقند میں گیارھویں صدی میں داخل ہو جاتے ہیں' چھٹی صدی سے دسویں صدی عیسوی تک کا پانچ سو سالہ طویل عہد ان کی مرتب کردہ تاریخ کے صفحات سے غائب ہے' آخر کیوں؟ شاید اس لئے کہ یہ اسلام کا عہد ہے۔" (بنیادی حقوق از محمد صلاح الدین ایڈیٹر جسارت)

یونان جہاں سے اہل مغرب' بنیادی انسانی حقوق کی ارتقائی تاریخ کا آغاز کرتے ہیں' وہاں کے فلسفیوں' معلموں اور مفکروں کی طبقہ واریت' عدل و انصاف اور مساوات کے سلسلے میں' آراء و نظریات اور پیش کردہ قوانین و ضوابط کی ایک ہلکی سی جھلک ملاحظہ ہو۔

یونان کا عظیم مفکر اپنی کتاب جمہوریت میں لکھتا ہے:

"شہریو تم آپس میں بھائی ضرور ہو' مگر خدا نے تمہیں مختلف حالتوں میں پیدا کیا ہے' تم میں سے کچھ میں حکمرانی کی صلاحیت ہے' انہیں خدا نے سونے سے بنایا ہے' کچھ چاندی سے بنائے گئے ہیں جو ان کے معاونین ہیں' پھر کاشت کار اور دست کار ہیں' جنہیں اس نے پیتل سے اور لوہے سے بنایا ہے۔" (بنیادی حقوق)

عدل و انصاف اور جمہوریت و مساوات کے سلسلے میں لکھتا ہے:

"میں اعلان کرتا ہوں کہ انصاف طاقتور کے مفاد کے سوا کچھ نہیں ہے' دنیا میں ہر جگہ انصاف کا بس ایک ہی اصول ہے اور وہ ہے طاقتور کا مفاد...... جمہوریت ایک تحسین پذیر طرز حکومت ہے' جو انتشار اور افراتفری سے پر ہوتی ہے اور مساوی و غیر مساوی لوگوں کے درمیان مساوات قائم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔"

غلاموں کے سلسلے میں افلاطون اور ارسطو دونوں کے نظریات ظلم و زیادتی اور عدم مساوات پر مبنی ہیں' افلاطون اپنی کتاب "قانون" میں لکھتا ہے:

غلام کو وہی سزا ملنی چاہئے' جس کے وہ مستحق ہیں' انہیں آزاد شہریوں کی طرح صرف سرزنش نہیں کرنی چاہئے ورنہ ان کا دماغ خراب ہو جائے گا۔" (بنیادی حقوق)

ارسطو اپنی کتاب "سیاست" میں لکھتا ہے:

"غریب لوگ امیروں کے پیدائشی غلام ہیں' وہ بھی ان کی بیویاں بھی اور ان کے بچے بھی۔" (بنیادی حقوق)

حق و انصاف' حریت و مساوات اور انسانی بنیادی حقوق کے سلسلے میں یونانی مفکروں اور فلسفیوں کے تصورات و نظریات کی یہ ہلکی سی جھلک ہے' جہاں اہل مغرب بنیادی حقوق کی ارتقائی تاریخ کا آغاز

کرتے ہیں۔

پانچویں صدی عیسوی میں یونان کے زوال پذیر اور پھر اسلام کے ظہور کے بعد مغرب پر جمود و تعطل چھا گیا‘ اسلام کے پانچ سو سالہ اقتدار اور غلبہ والے طویل عہد میں مغرب تاریخ کے صفحات سے غائب رہا‘ اس طویل غیوبت کے بعد‘ جب اسلام زوال پذیر ہوگیا‘ تو بنیادی انسانی حقوق کا شعور برطانیہ میں اس وقت بیدار ہوا‘ جب ۱۰۳۷ء میں شاہ کانریڈ ثانی نے پارلیمنٹ کے اختیارات متعین اور محدود کئے۔ ۱۵/ جون ۱۲۱۵ء کو ”میگنا کارٹا“ جاری ہوا‘ جس کی حیثیت بادشاہ اور امراء کے درمیان ایک قرارداد کی سی تھی‘ بعد میں اس سے بنیادی حقوق کا مفہوم اخذ کیا گیا‘ ۱۳۵۵ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے ”میگنا کارٹا“ کی توثیق کرتے ہوئے قانونی چارہ جوئی کا قانون منظور کیا‘ جس کے تحت کسی شخص کو عدالتی کارروائی کے بغیر زمین سے بے دخل نہیں کیا جاسکتا تھا اور نہ اسے سزائے موت دی جاسکتی تھی۔

چودھویں سے سولہویں صدی تک حقوق انسانی کی تحریک دبی رہی اور یورپ پر میکیاولی کے نظریات کا غلبہ رہا‘ سترھویں صدی میں انسانی حقوق کا نظریہ پھر ابھرا‘ ۱۶۷۹ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے حبس بے جا کا قانون منظور کیا‘ تھامس پین کے پمفلٹ ”حقوق انسانی“ نے اہل مغرب کے خیالات ونظریات پر بڑا انقلابی اثر ڈالا‘ اسی کے پمفلٹ ۱۷۹۱ء نے مغربی ممالک میں حقوق انسانی کے تصور کی عام اشاعت کی۔ ۱۷۶۲ء میں مشہور فرانسیسی مفکر روسو نے ”معاہدہ عمرانی“ کے زیر عنوان ایک کتاب لکھی‘ اس کے نظریات نے نہ صرف انقلاب فرانس کی راہ ہموار کی‘ بلکہ پورے یورپ کی سیاسی فکر پر بہت گہرے اثرات مرتب کئے۔ ۱۷۸۹ء میں جو انقلاب فرانس رونما ہوا‘ وہ روسو کے نظریہ معاہدہ عمرانی کا ثمرہ تھا۔

۱۲/ جون ۱۷۷۶ء کو امریکی ریاست ورجینیا سے جارج میسن کا تحریر کردہ ”منشور حقوق“ جاری ہوا‘ جس میں پریس کی آزادی‘ مذہب کی آزادی اور عدالتی چارہ جوئی کی ضمانت دی گئی۔ ۱۲/ جولائی ۱۷۷۶ء کو امریکا کا اعلان آزادی جاری ہوا‘ اس اعلان کے ابتدائیہ میں فطری قانون کے حوالے سے کہا گیا ہے:

”تمام انسان یکساں پیدا کئے گئے ہیں‘ انہیں ان کے خالق نے غیر منفک حقوق عطا کئے ہیں‘ جن میں تحفظ زندگی‘ آزادی اور تلاش مسرت کے حقوق شامل ہیں۔“

۱۷۸۹ء میں امریکی کانگریس نے وہ دس ترمیمات منظور کیں‘ جو قانون حقوق کے نام سے مشہور ہے۔

انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں ریاستوں کے دساتیر میں بنیادی حقوق کی شمولیت ایک عام روایت بن گئی‘ پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور متعدد یورپی ممالک کے دساتیر میں بنیادی حقوق شامل کئے گئے۔ ۱۹۴۰ء میں ایچ جی ویلز نے اپنی کتاب ”دنیا کا نیا نظام“ میں ایک منشور کا مقصد انسانی حقوق کے اجراء کی تجویز پیش کی۔ اگست ۱۹۴۱ء میں ”منشور اوقیانوس“ پر دستخط ہوئے‘ جس کا مقصد انسانی حقوق کی علمبرداری کے ساتھ جنگ کا خاتمہ تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد فرانس نے اپنے ۱۹۴۶ء کے دستور میں ۱۷۸۹ء کے منشور انسانی حقوق کو شامل کیا‘ اسی سال جاپان نے بنیادی حقوق کو دستور کا حصہ بنایا۔ ۱۹۴۷ء میں اٹلی نے انسانی حقوق کی ضمانت دی۔ بالآخر قومی اور بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کے لئے کی جانے والی کوششوں کے نتیجہ میں ۱۰/ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ کا ”منشور انسانی حقوق“ جاری ہوا‘ جس میں وہ تمام حقوق سمو دیئے گئے‘ جو مختلف یورپی ممالک کے دساتیر میں شامل تھے‘ یا انسان کے ذہن میں آسکتے تھے۔ یہ منشور تیس دفعات پر مشتمل ہے۔ (بنیادی حقوق صفحہ ۳۶ تا ۳۹ تلخیص و اختصار کے ساتھ)

اسلامی اور غیر اسلامی نظام حقوق کے مفہوم کا بنیادی فرق:

اسلامی قانون میں حقوق کا مفہوم‘ انسان کے طے کردہ حقوق سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہے۔ اسلام جو حقوق و فرائض عطا کرتا ہے وہ باعتبار خالق اور مخلوق ہے نہ کہ باعتبار ریاست اور شہری‘ غیر اسلامی نظام میں اعطاء حق ریاست کا اختیار ہے اور ریاست ہی کو اصل قرار دیا جاتا ہے‘ جبکہ اسلامی نظام میں اعطاء حق صرف اور صرف مقتدر اعلیٰ کا حق ہے‘ اس نے جن حقوق کو حقوق کہا ہے‘ وہی حقیقی حقوق ہیں انہیں کوئی طاقت سلب نہیں کرسکتی ہے اور یہ ہر حال میں ہر شہری کو ملیں گے۔

اسلامی نظام حکومت میں حکمران اور رعایا باہم فریق نہیں ہیں‘ بلکہ دونوں اپنی زندگی کے ہر شعبے: سیاسی‘ سماجی‘ معاشرتی‘ ذاتی اور اجتماعی میں مقتدر اعلیٰ کی دی ہوئی ذمہ داریوں کے پابند ہیں‘ نہ شہری کے حقوق حکمران کے طے کردہ ہیں اور نہ حکمران کے اختیارات شہری کے منظور کردہ۔

اسلام نے جو بنیادی حقوق انسانوں کو عطا کئے ہیں‘ وہ کسی ماہر قانون‘ فلسفی اور مفکر کا نتیجہ فکر نہیں ہیں اور نہ ہی وہ حکمرانوں کی رسہ کشی‘ حکومتوں کی باہمی کشمکش‘ ریاستوں کے ٹکراؤ اور ان کے درمیان ہونے والے معاہدوں اور مفاہمتوں سے وجود میں آئے ہیں‘ یہ حقوق جغرافیائی حد بندیوں‘ زمان و مکان کی

وسعتوں' رنگ و نسل کے امتیازات اور طبقۂ اشراف کی خصوصی مراعات سے ماوراء ہیں' ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جاسکتی ہے۔

اسلام ایک الہامی نظام حیات اور جامع دستور العمل ہے' جو نہ صرف انسانی حقوق' ان کی ضروریات زندگی اور فطری تقاضوں کو نظر انداز نہیں کرتا ہے' بلکہ ان تک رسائی کی راہیں ہموار کرتا ہے اور ان کے حصول کو ہر ممکن حد تک آسان بناتا ہے' تمام بنیادی حقوق اور حقیقی ضروریات زندگی مہیا کرنے کے لئے عدل و انصاف اور قانون کو قائم کرتا ہے۔ اسلام فرد' معاشرہ' عوام یا حکومت و ریاست کسی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی کی حق تلفی کرے اور نہ اس بات کا روادار ہے کہ انسان کا کوئی طبقہ یا قوم دوسرے طبقوں' یا قوموں پر خدائی کا سکہ چلائے' اسلام انسانیت کو ٹکرانے اور متصادم ہونے سے بچاتا ہے۔ ان میں توافق اور وحدت پیدا کرتا ہے اور انہیں مل جل کر رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔

اسلام کسی خاص اقتصادی' معاشی' سیاسی یا اجتماعی عوامل و محرکات اور حالات کا نتیجہ نہیں ہے' اور نہ ہی مختلف طبقات کے مفادات کے ٹکراؤ سے وجود میں آیا ہے۔ یہ ایک خدائی اور الہامی ضابطہ حیات ہے' جس میں انسان کے روحانی و جسمانی دونوں حقوق کا خیال رکھا گیا ہے۔ اسلام نہ حیوانی جبلت کو مکمل دبا تا ہے اور نہ ہی لذت پرستی اور عیش کوشی میں انسانوں کو مکمل چھوٹ دیتا ہے۔

انسانی زندگی اپنی تمام تر بوقلمونیوں' رنگینیوں اور وسعتوں کے ساتھ' اسلام کے ہمہ گیر اور جامع قوانین و اصول میں نظر آتی ہے۔ اسلام نے انسانی زندگی کے مختلف النوع پہلوؤں: جذبات و احساسات' افکار و خیالات' عبادات و معاملات' افعال و اعمال' جبلی محرکات اور روحانی تحریکات میں توافق پیدا کرکے' جسمانی و روحانی تقاضوں سے ہم آہنگ ایک حسین نظام حیات بخشتا ہے' جاگیرداری' معاشی ناہمواری' عدم مساوات' ظلم و جور' جبر و استبداد اور جہالت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا' حکمران اگر اپنی ذمہ داریاں انجام دینے میں قاصر رہیں اور خدا کے حکم کی نافرمانی کریں تو اسلام رعایا کو یہ حکم دیتا ہے کہ ان سے جواب طلبی کریں۔

اسلام عادلانہ اور مساویانہ نظام معیشت کا حامل ہے' معاشی عدم توازن کی خلیج کو پاٹتا ہے اور دولت کی منصفانہ تقسیم پر کار بند رہتا ہے۔ بے روزگاری' مفلسی اور فاقہ کشی کی روک تھام کرتا ہے' اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ دولت چند افراد کے ہاتھ میں سمٹ جائے' حکمراں محلات میں داد عیش دیں اور رعایا کاسۂ گدائی تھامے دردر کی ٹھوکر کھائے۔

اسلام انسان کو یہ بتاتا ہے کہ وہی اس دنیا کی اصل مخلوق ہے' بقیہ تمام مخلوق اس کی تابع اور خادم ہیں' قوت و اختیار کے لحاظ سے وہ ایک بلند ترین مقام پر فائز ہے' وہ آزاد ارادے اور اختیار کا مالک ہے' خدائے وحدہ لاشریک لہ کے سوا کسی مشیت کا پابند نہیں ہے:

"وسخر لکم مافی السموت
وما فی الارض جمیعاً منہ۔"
(الجاثیہ:۱۳)

"اور کام میں لگا دیا تمہارے' جو کچھ
ہے آسمانوں میں اور زمین میں سب کو اپنی
طرف سے۔"

اسلام میں انسانی حقوق کی اساس و بنیاد انسان کے شعور و عقل' قیاس و گمان اور وجدان پر نہیں ہے' انسانی حقوق کی تعیین اور حد بندی کے لئے اسلام انسانی عقل و پندار کو ناکافی سمجھتا ہے' مخلوق کے حقوق کو صحیح معنوں میں اس کا حقیقی خالق و مالک ہی سمجھ سکتا ہے' وہی ہر ایک کو اس کا صحیح حق دے سکتا ہے' انسان ایسے قوانین نہیں بنا سکتا ہے جو صد فیصد نوع انسانی کے مفاد میں ہوں اور انسان کو درپیش مسائل و مشکلات کا حل عادلانہ طریقے پر پیش کرسکیں' اس لئے کہ ایک انسان طبعی میلانات' نفسانی خواہشات' جذبات محبت و نفرت اور مخصوص عواطف و نظریات کا حامل ہوتا ہے' وہ قانون بناتے وقت ان سے مبرا نہیں ہوسکتا' دانستہ یا نادانستہ طور پر ایسے قوانین بنائے گا جن میں اس کے نظریات و خیالات کی جھلک ضرور ہوگی' یہی وجہ ہے کہ انسان کے مرتب کردہ قوانین تغیر و تبدل سے محفوظ نہیں رہتے' آئے دن ان میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جہاں انسان نے الہامی تعلیمات سے ہٹ کر اپنی عقل و پندار پر اعتماد کیا' اپنی سمجھ بوجھ اور قیاس کو کافی سمجھا' وہیں وہ غلطیوں کے بھنور میں پھنس گیا' حقوق کی بازیابی کی بجائے حقوق کی پامالی ہوئی' چنانچہ اس روئے زمین پر جب حق کا پہلا مسئلہ پیش آیا اور قابیل نے آسمانی ہدایت پر عمل نہ کرکے اپنی عقل و پندار پر اعتماد کیا تو پہلی مرتبہ ایک معصوم کا خون بہایا گیا۔

مزدک جو انسان حقوق کا علمبردار تھا' لوگوں کو لڑائی جھگڑے' ظلم و تشدد اور قتل و غارت گری سے روکتا' انہیں محبت و الفت کا پیام اور تعاون باہمی کی دعوت دیتا' لیکن جب اس کو اس سلسلے میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی اور اس نے دیکھا کہ طبائع انسانی کا میلان زن و زر کی طرف زیادہ ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر یہی دونوں چیزیں لڑائی جھگڑے کا سبب بنتی ہیں' تو اس نے یہ تحریک چلادی کہ ہر چیز میں ہر شخص برابر کا شریک ہے بالخصوص زن و زر میں:

"مزدک لڑائی جھگڑے اور قتل و

غارتگری سے روکتا تھا' جب اس نے دیکھا کہ ان چیزوں کا سرچشمہ زن وزر ہیں تو اس نے عورتوں میں سب کو کھلی چھوٹ دے دی اور زن وزر کو آگ پانی اور چارہ کی طرح بالکل عام کردیا۔" (الملل والنحل)

مزدک کی انسانی حقوق کی بازیابی' باہمی الفت ومحبت اور قیام امن کی جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہرطرف انسانی حقوق کی پامالی ہونے لگی' معاشرے پر اوباش اور غنڈوں کا تسلط ہوگیا' ہر طاقتور' کمزور کے گھر میں بلاخوف وخطر گھس جاتا اور اس کی زن وزر پر قبضہ کرلیتا اور کمزور بے چارہ کف افسوس ملتے رہ جاتا۔

ارسطو جو ایک عظیم مفکر' فلسفی اور دانشور تھا' لیکن آسمانی اور الہامی تعلیمات سے عاری ہونے کی وجہ سے جہاں اس کے وضع کردہ قوانین میں ناہمواریاں ہیں وہیں اس نے بڑھتی ہوئی آبادی کے خوف سے' ہم جنس پرستی اور لواطت جیسے خبیث اور خلاف فطرت فعل کو حکومت سے قانونی سطح پر منظور کرایا تھا۔

انسانی حقوق کی ارتقائی تاریخ اسلامی تناظر میں:

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ انسانی حقوق کا اولین علمبردار اور محافظ تنہا یورپ ہے۔ اسی نے انسانیت کو اس کے بنیادی حقوق سے روشناس کرایا ہے۔ اعتقاد وفکر' ضمیر وخیال' اظہار رائے' تعلیم و تربیت' انتقال مقام' حصول انصاف وغیرہ ہر طرح کی آزادی سے ہمکنار کیا' رنگ' نسل' جنس' مذہب' زبان' قوم اور سماج کے امتیازات کو ختم کرکے سب کو مساوی الحیثیت قرار دیا۔ اسے مغربی ممالک اور ذرائع ابلاغ جس انداز سے پیش کرتے آرہے ہیں' اس سے محسوس ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر یورپ میں بنیادی حقوق کی اصطلاح رائج ہونے تک (جس کی پوری مدت ساڑھے تین سو سال سے زائد نہیں ہوتی ہے) پوری انسانیت اپنے بنیادی حقوق سے محروم تھی۔ اسے دنیا میں رہنے اور زندگی گزارنے کا کوئی حق نہیں تھا' لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج اہل یورپ جن بنیادی حقوق کی باتیں کررہے ہیں اور جنہیں اپنی بے پایاں جدوجہد اور مسلسل کاوشوں کا نتیجہ گردانتے ہیں' ان حقوق کی بازیابی کی آواز آج سے چودہ سو برس پہلے' اسلام نے عرب کے صحراء سے بلند کی تھی اور انسانی حقوق کا مکمل اور جامع خاکہ پیش کیا تھا' آج جہاں کہیں بھی حقوق کی آواز سنائی دے رہی ہے' خواہ وہ یورپ ہو یا امریکا' روس ہو یا جاپان' وہ اسلامی یا الہامی اور آسمانی تعلیمات وہدایات کا نتیجہ ہے' اور انہیں کے پرتو سے ان میں انسانی اور بنیادی حقوق کا شعور بیدار ہوا ہے۔

انسانی حقوق کی تاریخ اتنی ہی قدیم اور پرانی ہے' جتنی انسانی وجود کی' انسانی اور بنیادی حقوق کا زمانہ ایک ہے دونوں ہم عصر اور ہم سفر ہیں' دونوں نے ارتقائی سفر ساتھ ساتھ طے کیا ہے' جس دن سے انسان نے آنکھیں کھولیں اور اس روئے زمین پر قدم رکھا' اسی دن سے بنیادی حقوق اس کے احساس وشعور کا حصہ بن گئے تھے' اللہ نے انسان کو اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے' اسے بنیادی حقوق اور فرائض و ذمہ داریوں کا شعور عطا کردیا تھا' یہ اس کی جدوجہد اور کاوش کا حصہ نہیں ہیں' پھر یہ حقوق و فرائض انسانوں کی آبادی پھیلنے کے ساتھ پھیلتے گئے' ان میں توسیع اور ہر زمانے کے مسائل اور تقاضوں کو مدنظر رکھ کر اضافی احکام کے ساتھ توضیح وتشریح ہوتی رہی' یہاں تک کہ تمام ارتقائی منازل سے گزر کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر مکمل ہوئے:

"الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔" (المائدہ:۳)

ترجمہ: "آج میں نے مکمل کردیا تمہارے لئے تمہارا دین اور تمام کردی تم پر اپنی نعمت اور پسند کرلیا تمہارے واسطے اسلام کو بطور دین۔"

اسلامی حقوق وفرائض کی مختصر تاریخ قرآن کریم نے اس طرح پیش کی ہے:

"اللہ تعالیٰ نے آدمؑ نوحؑ' خاندان ابراہیمؑ اور خاندان عمران کو تمام دنیا والوں کے مقابلے میں برگزیدہ بنایا' یہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔" (آل عمران:۳۳'۳۴)

"کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور ان ہدایات واحکام پر جو ہم پر اتارے گئے' اور جو ابراہیمؑ' اسماعیلؑ' اسحاقؑ' یعقوب اور اولاد یعقوب پر اتارے گئے اور جو موسیٰ' عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کرام کو دیے گئے' ہم ان میں سے کسی کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ تعالیٰ کے ہی فرماں بردار ہیں۔" (البقرہ:۱۳۶)

حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کی تجویز ہوئی' ابھی زمین پر نہیں اتارا گیا کہ اللہ نے انہیں اصلاح طبائع' انتظام شرائع و احکام' مفردات و مرکبات کے اسماء وخواص' صنعتوں' حرفتوں' حفظان صحت اور علاج معالجہ کے اصول وضوابط سکھادیے اور ان تمام چیزوں کے علم سے آگاہ کردیا' جو ایک خلیفہ کو خلافت کی ذمہ داریاں انجام دینے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

ایک منتظم اور مصلح کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس چیز کا انتظام و اصلاح کرنا چاہتا ہے' اس کی اصل و حقیقت اور اس کے ہر قسم کے نشیب و فراز سے آگاہ ہو' اسی طرح خلیفہ خداوندی کو (جسے اس دنیا میں انسانوں کا انتظام و انصرام سنبھالنا تھا' اصلاح طبائع اور باطنی تطہیر کرنی تھی) مخلوق کے حقوق و فرائض' واجبات و ذمہ داریوں' آداب زندگی اور ظاہری و باطنی تطہیر کے طریقے بتا دیئے' "وعلم آدم الاسماء کلها" آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اسماء سکھا دیئے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی' ان کی ظاہری و باطنی تطہیر' اخلاقیات کی اصلاح اور بنیادی حقوق کے جس سلسلے کا آغاز ہوا تھا' وہ برابر جاری رہا' وقتاً فوقتاً حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے اور لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح اور ظلم و استبداد کا خاتمہ کرتے رہے۔ عبادت و خلافت جن دو بنیادی مقاصد کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کو اس دنیا میں اتارا گیا' انہیں دونوں مقاصد کی تکمیل کے لئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس دنیا میں تشریف لائے' آسمانی کتابیں انہیں دونوں قسموں کے مسائل و احکام کی تشریح و توضیح اور بیان پر مشتمل ہیں۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اخروی مشکلات سے نجات دلانے کے ساتھ' دنیوی مسائل و پریشانیوں کا حل بھی پیش کرتے ہیں' ان کے فرائض منصبی میں صرف نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج کے احکام کی تشریح اور مسجدوں میں عبادات کے آداب کی تعلیم اور ان پر عمل آوری ہی نہیں ہے' بلکہ دنیا کی اصلاح' اس کے نظم و نسق کی درستگی' ظلم و جور کا خاتمہ' عدل و انصاف کا قیام اور بندوں کے حقوق کی بازیابی اور ادائیگی بھی ان کا اہم فریضہ ہے۔

جن حقوق و فرائض کے ساتھ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث کئے گئے' ان کی ایک فہرست ملاحظہ ہو:

"آپ ان سے کہہ دیجئے: آؤ میں سناؤں' جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے وہ یہ کہ (۱) شریک نہ کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو' (۲) اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو' (۳) اپنی اولاد کو مفلسی سے قتل نہ کرو' ہم ان کو اور تم کو رزق دیتے ہیں' (۴) پاس نہ جاؤ بے حیائی کے کام کے جو ظاہر ہو اس میں سے اور جو پوشیدہ ہو' (۵) اور مار نہ ڈالو اس جان کو' جس کو حرام کیا ہے اللہ نے' مگر حق پر' تم کو یہ حکم کیا ہے: تاکہ تم سمجھو' (۶) اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے' مگر اس طرح سے کہ بہتر ہو' یہاں تک کہ پہنچ جائے اپنی جوانی کو' (۷) اور پورا کرو ناپ اور تول کو انصاف سے' ہم کسی کے ذمہ وہی چیز لازم کرتے ہیں' جس کی اس کو طاقت ہو' (۸) اور جب بات کہو حق کی ہو' اگرچہ وہ اپنا قریبی ہی ہو' (۹) اور اللہ کا عہد پورا کرو' تم کو یہ حکم کر دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔"

(سورۃ انعام)

قرآن کریم کی یہ آیات' اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد' فریضہ عبادت کے ساتھ منصب خلافت' باطنی تطہیر کے ساتھ ظاہری اصلاح کا تصور انسان کی پیدائش کے ساتھ ہو گیا تھا۔ انسان کی تخلیق کے ساتھ مقتدر اعلیٰ نے اس کے فرائض و واجبات اور بنیادی حقوق کی تعیین کر دی تھی' یہ کام بندوں کے سپرد نہیں کیا گیا۔

☆☆..........☆☆

سانحہ ارتحال

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی ناظم' فاتح چناب مولانا اللہ وسایا کی والدہ ماجدہ اور ضلع رحیم یار خان کے مرکزی مبلغ حضرت مولانا حافظ احمد بخش بقضائے الٰہی سے انتقال کر گئے ہیں۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت گوجرانوالہ کا ہنگامی اجلاس امیر ضلع الحاج حافظ بشیر احمد کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں مولانا عبدالقدوس عابد' مولانا طارق محمود ثاقب' الحاج عثمان عمر ہاشمی' قاری محمد یوسف عثمانی' حافظ احسان الواحد' پروفیسر حافظ محمد انور' پروفیسر محمد اعظم نعیمی' سید احمد حسین زید' حافظ محمد معاویہ' قاری عبدالغفور آرائیں' محمد امان اللہ قادری' مولانا محمد الیاس قادری' مولانا اللہ وسایا کی والدہ ماجدہ اور حضرت مولانا حافظ احمد بخش کے سانحہ ارتحال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔ بعد ازاں مرحومین کے لئے دعائے مغفرت اور پسماندگان سے اظہار ہمدردی کیا گیا۔

اور ہم نے آسمانوں کو زینت دی ستاروں سے
آسمانوں کی زینت ستارے' خواتین کی زینت زیورات
ستارا جیولرز
صرافہ بازار' میٹھادر' کراچی نمبر2 فون 745080

مسلمان حکمرانوں کا تابناک ماضی

مولانا محمد عابد

اقتدار پر قابض لوگوں کے ہاتھوں بدامنی' لوٹ کھسوٹ' ڈاکہ زنی' چور بازاری' رشوت ستانی کی ستم رسیدہ دنیا آج کسی نجات دہندہ کی منتظر ہے اور آنکھیں اٹھا اٹھا کر قرون اولیٰ کے کرداروں کو جھانک رہی ہے' جنہوں نے اپنے کمال تقویٰ' دیانتداری ودور اندیشی' فکر آخرت وخوف خدا کی وجہ سے اس کرۂ ارض کو جنت نشاں بنادیا تھا۔ ان کے مبارک ادوار فرمانروائی میں انسان تو کجا جانوروں کی جانیں بھی محفوظ تھیں......

ذیل میں ان چند خوش بخت حکمرانوں کا ذکر خیر ہے جن کے زمانہ اقتدار میں عدل وانصاف کا پھریرا ایسا لہرایا کہ دنیا روشن ہوگئی اور ورع وپرہیزگاری کے ایسے دیپ جلائے کہ سقیم وعلیل معاشرہ یکدم صحت مند ہوگیا' ملاحظہ ہو!

امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ:

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ قریش کے نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو امین الامت کا خطاب عطا ہوا۔ جہاد شام کے سپہ سالار اعظم تھے۔ حضرت خالد بن ولید' حضرت یزید بن ابی سفیان' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم جیسے اکابر قریش آپ کے تحت سپہ سالار کی حیثیت سے کام کررہے تھے۔ آپ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے گھر آیا دیکھا کہ آپ زاروقطار رو رہے ہیں' اس نے متعجب ہوکر پوچھا خیریت تو ہے آپ اس قدر کیوں رو رہے ہیں؟

آپ نے فرمایا ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے آئندہ فتوحات وتمول کا ذکر کرتے ہوئے شام کا تذکرہ فرمایا اور کہا: ابوعبیدہ! اگر اس وقت تک تیری عمر وفا کرے تو تمہارے لئے صرف تین خادم کافی ہوں گے۔ ایک خاص تمہاری ذات کے لئے اور ایک تمہارے اہل وعیال کے لئے اور ایک سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے' اسی طرح سواری کے تین جانور کافی ہوں گے۔ ایک تمہارے لئے ایک غلام کے لئے اور ایک اسباب وسامان کے لئے لیکن اب دیکھتا ہوں تو میرا گھر غلاموں سے اور اصطبل گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے۔ آہ! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک سب سے زیادہ وہ محبوب ہوگا' جو اسی حال میں مجھ سے ملے گا' جس حال میں' میں اسے چھوڑ جاؤں گا۔ (سیرت مہاجرین جلد اول)

ایک بار رومی سفیر اسلامی لشکرگاہ میں آیا تو اسے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تک پہنچنے میں سخت دشواری پیش آئی' اس نے اپنے سپہ سالار اعظم کو جس شان وشوکت سے دیکھا تھا وہ اسی کو یہاں بھی تلاش کررہا تھا لیکن اسے یہاں ہر چیز میں یک رنگی ویکسانگی نظر آرہی تھی' بالآخر اس نے حیران ہوکر مسلمانوں سے پوچھا کہ تمہارے سردار کہاں ہیں؟ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سامنے ہی زمین پر بیٹھے ہوئے تھے کندھے پر کمان لٹک رہی تھی اور ہاتھ میں تیر تھا' جسے آپ الٹ پلٹ رہے تھے' مسلمانوں نے کہا یہ بیٹھے ہیں' آپ کو اس معمولی حالت میں دیکھ کر اسے یقین نہ آیا' اس نے آپ سے پوچھا کیا واقعی آپ ہی سپہ سالار اعظم ہیں؟ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! سفیر نے کہا کیا آپ کو خیال ہے کہ آپ قالین پر بیٹھیں تو خدا آپ سے ناخوش ہوجائے گا اور آپ کو اپنے فضل وکرم سے محروم کردے گا۔

حضرت امین الامت نے جواب دیا' میرے پاس قالین اور مال دولت کہاں؟ اسلحہ جنگ کے سوا میرے پاس کوئی چیز نہیں' کل مجھے ایک ضرورت پیش آئی تو میرے پاس ایک حبہ نہ تھا' مجبوراً مجھے اس بھائی (حضرت معاذ رضی اللہ عنہ) سے قرض لینا پڑا۔ (الفاروق)

آپ کو جب بھی مال ملتا تھا' آپ راہ خدا میں صرف کروا لیتے تھے ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں چار سو دینار اور چار ہزار درہم بطور انعام بھیجے۔ انہوں نے تمام رقم فوج میں تقسیم کردی اور اپنے لئے ایک حبہ بھی نہ چھوڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا الحمدللہ! کہ اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں۔ (سیرت المہاجرین)

فتح بیت المقدس کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب بیت المقدس کی کنجیاں دے دی گئیں تو اس کے بعد افسران اسلام نے باری باری حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کو اپنے اپنے خیموں میں مدعو کیا اور آپ بھی ان کی دل داری کے لئے تشریف لے گئے' لیکن حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے آپ کی دعوت نہیں کی' چنانچہ آپ نے ایک روز ان سے کہا تمام افسروں نے میری دعوت کی' لیکن آپ نے مدعو نہیں کیا؟ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں نے اس خیال سے آپ کی دعوت نہیں کی کہ شاید آپ کو مرے ہاں آنسو بہانے پڑیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں ایک روز اپنے یہاں میری دعوت کیجئے۔ چنانچہ ایک روز آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فاتح شام کے خیمہ میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ گھر میں گھوڑے کے نمدے کے سوا کوئی چیز نہیں' یہی نمدا ان کا بستر تھا اور گھوڑے کا زین تکیہ' ایک طاق میں روٹی کے کچھ سوکھے ٹکڑے پڑے تھے' فاتح شام نے وہی ٹکڑے تھوڑا سا نمک اور مٹی کے گلاس میں پانی لا کر آپؓ کے سامنے زمین پر رکھ دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بے اختیار رونا آ گیا' آپ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو سینے سے لگا کر کہنے لگے کہ صرف تم ہی میرے بھائی ہو' تمہارے سوا میرے ساتھیوں میں سے کوئی ایسا نہیں' جس پر دنیا نے اپنا کچھ نہ کچھ جادو نہ کر دیا ہو۔ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نہ کہتا تھا کہ آپ کو میرے ہاں آ کر آنسو بہانے پڑیں گے؟

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے مجبوراً حمص کی گورنری قبول کی اور آپ کا حال یہ تھا کہ جو تنخواہ ملتی اس میں سے معمولی طور پر کھانے پینے کا سامان خرید لیتے اور باقی خیرات کر دیتے' بیوی دریافت کرتی باقی رقم کدھر گئی فرماتے وہ اللہ کو قرض دے دیا ہے۔ (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے دورے پر تشریف لے گئے حمص پہنچ کر وہاں کے سربرآوردہ لوگوں سے ملاقات کی اور شہر کے فقراء و مساکین کی فہرست تیار کرنے کا حکم دیا۔ فہرست مرتب ہو کر جب سامنے آئی تو دیکھا سب سے اوپر حمص کے حاکم حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کا نام موجود ہے۔ آپ نے ازراہ تعجب فرمایا: یہ سعید بن عامر کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یہ ہمارے حاکم ہیں' اس پر آپ کو اور بھی تعجب ہوا۔ فرمایا ان کو سرکاری خزانے سے تنخواہ نہیں ملتی' لوگوں نے کہا یہ درست ہے مگر انہیں جو کچھ ملتا ہے وہ دوسرے حاجت مندوں پر تقسیم فرما دیتے ہیں اور کچھ باقی نہیں بچتا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے پھر اپنے خط کے ساتھ ایک ہزار دینار حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے اور قاصد سے کہا انہیں میری طرف سے سلام کہنا اور کہنا کہ امیرالمومنین نے یہ رقم اس لئے بھیجی ہے کہ آپ اسے اپنی ضرورتوں پر خرچ کریں۔ قاصد نے جا کر سلام کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط کے ساتھ تھیلی پیش کی۔ دیناروں پر نظر جو پڑی تو معاً زبان سے نکلا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی بیوی کچھ دور تھیں' ان کے کان میں یہ آواز پڑی تو گھبرا کر بولیں: خیریت تو ہے' کیا امیرالمومنین کی وفات ہو گئی؟ فرمایا: نہیں! اس سے بڑا واقعہ ہے۔ بیوی نے پوچھا کیا خدا کی کوئی نشانی نمودار ہوئی ہے؟ فرمایا: اس سے بھی بڑا حادثہ ہے' پوچھا کہ کیا قیامت کے آثار نمودار ہوئے ہیں۔ بولے نہیں! اس سے بھی بڑی بات ہو گئی ہے۔ بیوی نے کہا: آخر بتایئے تو کیا ہوا ہے؟ فرمایا: یہ دیکھو میرے پاس دنیا آ گئی ہے' ہائے میرے گھر میں فتنہ داخل ہو گیا ہے۔ نیک بخت بیوی نے سمجھایا آپ اس قدر پریشان کیوں ہوتے ہیں' اس کو مرضی مولیٰ میں جہاں چاہیں استعمال کریں۔ اس بات پر آپ کو تسلی ہوئی اور چند دنوں بعد وہاں سے مجاہدین کے لشکر کا گزر ہوا آپ نے بندھی بندھائی تھیلی امیر لشکر کے حوالہ کر دی۔

ایک مرتبہ اہل حمص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی چند شکایات پیش کیں' اولاً یہ کہ جب تک کافی دن نہ چڑھ آئے سعید گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ ثانیاً یہ کہ رات کے وقت کوئی آواز دیتا ہے تو جواب نہیں دیتے۔ ثالثاً یہ کہ مہینہ میں ایک مرتبہ گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ شکایات سن کر بڑا تعجب ہوا کہ خدایا عامر ایسے آدمی تو نہیں' یہ کیا معاملہ ہے؟ بہرکیف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ طلب کیا اور دل میں یہ دعا بھی کی کہ مولا سعید کے متعلق مرے گمان کو درست کر دے۔

مختصر یہ کہ حضرت سعید کے سامنے معترضین سے سوالات دوبارہ کرائے گئے تو حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم مجھے ان چیزوں کا تذکرہ پسند نہ تھا' لیکن اب حقیقت کا اظہار ضروری ہے' اس لئے عرض کرتا ہوں: صبح دیر سے اس لئے نکلتا ہوں کہ میرے پاس خادم نہیں ہے جو گھر کے کاموں میں مجھے مدد فراہم کرے اور میری اہلیہ تمام کام خود انجام نہیں دے سکتی' اس لئے صبح اپنے ہاتھ سے آٹا گوندھتا ہوں' پھر خمیرہ کرتا ہوں اور اس کے بعد روٹی پکاتا ہوں اور اس کے بعد ان لوگوں کی خدمت کے لئے نکل آتا ہوں۔ دوسری بات کے جواب میں عرض ہے کہ دن تو میں نے مخلوق خدا کے لئے وقف کر رکھا ہے اور رات خالق کے لئے۔ تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ میرے پاس خادم نہیں ہے جو کپڑے دھو کر دے اور نہ ہی میرے پاس اس لباس کے علاوہ دوسرا لباس ہے' اس

لئے مہینہ بھر میں ایک مرتبہ اپنے کپڑے دھوتا ہوں' وہ جب سوکھ جاتے ہیں تو پہن کر باہر نکلتا ہوں اور اس طرح اس دن لوگوں سے نہیں مل پاتا۔ حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کے جوابات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا چہرہ فرط مسرت سے دمک اٹھا اور فرمایا: خدا کا شکر ہے سعید کے بارے میں میری بصیرت نے خطا نہیں کی۔ (صفوۃ الصفوۃ ابن جوزیؒ)

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو حمص کا گورنر بنا کر بھیجا' حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو گئے ہوئے ایک سال کا زمانہ گزر گیا' لیکن انہوں نے اپنے متعلق دربار خلافت کو کوئی اطلاع نہیں بھیجی' آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا اور تاکید کی کہ اب تک جو رقم وصول ہوئی ہے اسے اپنے ساتھ لے کر مدینہ حاضر ہوں۔ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے زاد راہ کا تھیلا کاندھے پر ڈالا ہاتھ میں ڈنڈا لیا اور حمص سے پیدل چل پڑے اور مدینہ منورہ پہنچ گئے تو حالت یہ ہو چکی تھی کہ بال بڑھ گئے تھے' چہرہ غبار سے اٹ گیا تھا اور جسم کا رنگ متغیر ہو گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا آخر تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے؟ تو کہا یہ تھیلا ہے جس میں زاد راہ ہے اور پیالہ ہے جس میں کھاتا ہوں' اور اس سے سر دھوتا ہوں' ایک چھوٹا سا مشکیزہ ہے جس سے وضو اور پینے کا پانی رکھتا ہوں' ایک ڈنڈا ہے جس پر ٹیک لگاتا ہوں اور ضرورت کے وقت دشمن سے مقابلہ کرتا ہوں' آخر انہی چیزوں کا نام تو دنیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقصد کی طرف آتے ہوئے سوال کیا کہ میں نے تمہیں کہاں اور کس غرض سے بھیجا تھا؟ عمیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: آپ نے مجھے جس غرض سے بھیجا تھا' وہاں گیا' نیک لوگوں کو جمع کیا' انہیں زکوٰۃ کی وصولی پر مامور کیا اور وہ جو کچھ وصول کر کے لائے اسے ان کی ضرورتوں پر تقسیم کر دیا اور اگر آپ بھی اس مال کے مستحق ہوتے تو میں آپ کے پاس بھی اس میں سے لے آتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے جواب سے بہت خوش ہوئے اور چاہا کہ یہ اپنے عہدے پر برابر کام کریں' مگر حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے بالکل انکار کر دیا کہ اب میں نہ آپ کے زمانے میں کوئی ذمہ داری قبول کروں گا اور نہ ہی بعد میں۔

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگی اور گھر چلے گئے جو مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلے پر تھا' بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو سو دینار دے کر بھیجا کہ اگر ان کی مالی حالت بہتر ہو تو یہ رقم ان کو بالکل نہ دینا اور اگر تنگدستی ہو تو حوالے کر دینا جب قاصد پہنچا تو سابق گورنر حمص دیوار کے سہارے بیٹھ کر سر سے جوئیں نکال رہے تھے' فرمایا: تشریف رکھئے مدینہ کی بابت اور خلیفہ کی بابت پوچھا۔ قاصد نے کہا خلیفۃ المسلمین اچھے ہیں' حدود جاری کر رہے ہیں' یہ سن کر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کی: "اے اللہ! عمرؓ کی مدد کر وہ تیری محبت میں بہت سخت ہیں۔" قاصد تین دن تک ٹھہرا رہا' اس نے آپ کے ہاں بہت تنگی دیکھی کہ خود بھوکے رہ کر مہمان کو کھانا کھلا دینا تو معمولی بات تھی۔ قاصد نے تین دن بعد دینار نکال کر پیش کئے اور کہا یہ آپ کے لئے امیر المومنین نے بھیجے ہیں۔ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ یہ سن کر چیخ پڑے اور فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں اور وہ ساری رقم محتاجوں و غریبوں میں تقسیم کر دی۔

☆☆

ABDULLAH SATTAR DINA
& SONS JEWELLERS
عبداللہ ستار ڈینا اینڈ سنز جیولرز
Gold, Silver, Sellers & Order Suppliers
Shop: 85, Kundan Street, Sarafa Bazar
Mithader, Karachi. Ph: 7514972-7531153

عبدالخالق گل محمد اینڈ سنز
[redacted]
دکان نمبر N-91 صرافہ بازار میٹھادر کراچی
فون 745573

نئی نسل کو قادیانیت سے بچائیے

مولانا محمد اکرم طوفانی

آج کل اخلاق کے نام پر ملت کفر کو انتہائی پیار اور محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور پھر اپنی طرف سے من گھڑت دلائل اور من چاہی باتوں کو بہانہ بنا کر سادہ لوح مسلمان اپنی حقیقی روایات و درایت سے محروم ہو جاتا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صریح ہے کہ "الکفر ملۃ واحدۃ" جب قادیانیوں اور مرزائیوں کے کفر پر نگاہ ڈالی جاتی ہے تو تاریخ میں ان جیسا کفر بابا آدم علیہ السلام کے دور سے نظر نہیں آتا۔ گویا کہ مرزائی اپنے کفر میں بے مثال ہیں۔ سادہ لوح مسلمان' خصوصاً ہمارے دور کا نوجوان طبقہ ان کے جعلی اخلاق اور پیار و محبت کے نقلی انسانوں سے متاثر ہو کر قادیانیوں کو باقی کافروں پر ترجیح دیتے ہوئے ان کے ساتھ تعلقات استوار کر لیتا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی سے ہی ثابت ہو رہا ہے کہ محبت اور نفرت کا آپس میں تلازم حقیقی ہے۔ اگر آپ کو کسی سے محبت ہے تو آپ اس کی محبت کے دعوے میں اسی وقت صادق ہو سکتے ہیں' جب آپ کی زندگی کا ہر لمحہ محبوب کے دشمنوں اور اس کی توہین کرنے والوں کی نفرت سے بھرپور ہو' ورنہ کوئی بھی صحیح العقل آپ کو دعویٰ محبت میں صادق نہیں سمجھے گا۔ آج ہم میں محبت کے جذبات و اعمال کے ایک پہلو یعنی حب فی اللہ اور حب مع رسول کے دعوؤں میں اتنی کمی نظر آتی جتنی دوسرے پہلو یعنی بغض فی اللہ میں کمی ہے' صرف کمی ہی نہیں بلکہ مبغوض اعمال اور مبغوض خیالات و عقائد فاسدہ کے بارے میں تو صلح و رضا مندی اور پسندیدگی تک نوبت پہنچی ہوئی ہے جو کہ بہت خطرناک حالت ہے۔ اس کے کئی درجات ہیں' بعض دفعہ نفرت کا نہ ہونا صرف کبیرہ گناہ ہی ہوتا ہے' لیکن بعض حالات و واقعات میں یہ کیفیت کفر اور نفاق تک لے جاتی ہے اس کو جس قدر خطرناک اور ایمان کی تباہی اور بربادی کا سبب سمجھا جائے کم ہے۔ مثلاً دیکھا جاتا ہے کہ عبادات' اذکار' نوافل اور محبت رسولؐ کے دعوے بھی ہوتے ہیں' لیکن اپنی معاشرت' معیشت و اخلاق میں پوری آزادی ہوتی ہے خصوصاً نوجوان نسل کے معاملہ میں' ان کی آخرت اور دین و ایمان بالکل ہی تباہ و برباد ہو جاتے ہیں یا کم از کم نسل تو ایمان و ہدایت کے لحاظ سے تباہی و بربادی کے عمیق گڑھوں میں گر جاتی ہے لیکن والدین اور متعلقہ افراد زبان حال ہی سے نہیں بلکہ کئی دفعہ تو صریح الفاظ میں کہہ رہے ہوتے ہیں کہ چلو ان کی بدولت دنیا تو ہاتھ آئے گی' یا اگر ہم اس دنیا کے قابل نہیں رہے ہیں تو ہمیں اعمال صالحہ میں اس قدر دلچسپی لے لینی چاہئے جس سے ہم عذاب آخرت سے بچ جائیں۔ مگر ان حضرات کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ کہ ہماری پیاری اولاد' لخت جگر ایمان کو برباد کر رہے ہیں بلکہ وہ تو یہ خیال کرتے ہیں کہ خدانخواستہ ابھی سے ہماری اولاد جنت کی تیاری میں کیوں لگے' ہم نے ان کو قرآن پڑھا دیا ہے' بلکہ بعض تو حفظ بھی کرا دیتے ہیں اور خیال یہ ہوتا ہے کہ اگر بڑے ہو کر وہ خود جنت کا راستہ تلاش کر لیں تو ان کی قسمت مگر ہم تو پوری طرح نصرانی اسکولوں میں ان کو داخل کرا کر ایسی تربیت گاہ میں پہنچا دیتے ہیں کہ صحیح راستہ کی تلاش کی استعداد ہی کم یا ختم ہو جاتی ہے اور وہ صحیح راستہ سے اس قدر دور ہو جاتے ہیں کہ نیکی کا راستہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور پھر بچپن میں جو قرآن پڑھایا تھا یا تھوڑی بہت دینی تربیت دی تھی' اس کے ضائع ہونے پر افسوس کرتے ہیں۔ بعض نیک لوگ اپنی اولاد کے لئے تہجد میں اٹھ اٹھ کر لمبی چوڑی دعائیں کرتے ہیں کہ یا اللہ! ہماری اولاد کو راہ راست پر لگا دے اور یوں یہ اپنے آپ کو تمام دینی تربیت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایسی دعاؤں کا اثر دنیا میں کبھی ظاہر نہ ہوگا' خواہ یہ دعائیں مقبول بندے قبولیت کے مقامات اور اوقات میں رو رو کر کریں' اس لئے کہ اولاد کو جس ماحول میں پہنچا دیا ہے وہ کفر کا ماحول ہے' اس میں جب نوجوان ڈوب جاتا ہے تو وہ شیخ سعدیؒ کے شعر کا مصداق بن جاتا ہے:

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
بعد میں گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

لکڑی کے تختے کے اوپر باندھ کر دریا کے درمیان میں ڈال دیا اور آوازیں کس رہا ہے کہ خیال کرنا! دامن کو تر کرنے سے ہوشیار رہنا۔ بچوں کو ماحول تو خود ایسا فراہم کرتے ہیں اور پھر امید رکھتے ہیں کہ یہ اولادیں ہماری آخرت کی بربادی کا سبب نہ بنیں:

"ایں خیال است ومحال است جنوں"

علامہ فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جو قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں کہ آپ ذرا غور کریں اور سوچیں کہ ماحول کس قدر اثر انداز ہوتا ہے' اولاد کو جس ماحول کے حوالے کرو گے' نتیجہ بھی ایسا ہی نکلے گا۔ علامہ فخر الدین رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کی ملاقات جب اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے مصر میں ہوئی تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ابا جی! آپ نے میری جدائی میں رو رو کر اپنی آنکھیں بھی سفید کر لی ہیں اور میری جدائی میں چالیس سال روتے رہے' یہاں تک کہ بینائی بھی چلی گئی' اگر دنیا میں ہماری ملاقات نہ ہوتی تو قیامت کے دن میدان حشر میں ہو جاتی' پھر آپ اس قدر کیوں روئے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ آج بھی آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے' ہر والد کو چاہئے کہ اپنی اولاد کے لئے لکھ کر اسے گھر میں ایسی جگہ لگائے جہاں پر چوبیس گھنٹے اس پر نظر پڑتی رہے۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: بیٹا! میرے پیارے یوسف! میں تیری جدائی میں نہیں رویا' میں نے ایک آنسو بھی تیری جدائی میں نہیں نکالا' میں تو اس لئے روتا رہا' جب تو مجھ سے جدا ہوا تھا تو تیرا بچپن تھا اور مجھے ہر وقت خطرہ لاحق رہتا تھا کہ تو کسی ایسے ماحول میں نہ چلا جائے یا کہیں ایسے اخلاق باختہ لوگوں کی صحبت میں نہ پھنس جائے جو تجھے خاندان نبوت سے دور کر دیں۔

اس لئے مکمل یقین اور دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ مکمل ایماندار یعنی حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے حامل ہر شخص کی دونوں جہانوں کی زندگی انشاء اللہ انتہائی خوشگوار پرسکون اور باعزت ہوگی اور تجربہ اس پر شاہد ہے' اسی طرح قادیانیوں اور دیگر کافروں سے خصوصاً قادیانیوں سے تعلقات رکھنے والے مسلمان اور بغض فی اللہ میں غفلت کے مرتکب حضرات اور قادیانیوں سے نفرت نہ کرنے والوں کی زندگی دنیا اور آخرت میں ہر لحاظ سے پرآشوب' پریشان کن اور ذلت آمیز ہوگی اور اس دور میں ہم سب کو ان دونوں اقسام کا مشاہدہ بھی ہے اور تجربہ بھی اگر کسی کو کسی جگہ ہمارے اس دعوے کے خلاف نظر آئے تو یقیناً اس کی کوتاہ نظری ہے اور سراب کی طرح نظر کا دھوکہ ہے۔ اگر کوئی چاہتا ہے تو دونوں فریقوں اور دونوں طبقوں کو قریب سے دیکھ کر مشاہدہ کر لے' جس کو بندہ نے اس سے پہلے کئی عنوانات کے تحت صحابہ کرامؓ کی مقدس زندگی کے حالات میں ثابت کیا ہے۔ گویا کہ فارمولا یہی ہے اور محبت کے لوازمات سے اور آداب سے یہی ہے کہ:

ایک تجھ سے کیا محبت ہوگئی
ساری دنیا ہی سے وحشت ہوگئی

مطلب صرف اس قدر ہے کہ کسی سے بھی محبت کا دعویٰ اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا جب تک اپنے محبوب کے لئے اس محب کے دشمنوں سے نفرت نہ کرو گے اور یہ بھی یاد رکھیں کہ ایمان کے بعد اور دعویٰ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے نہ صرف نفرت کا اظہار ہو بلکہ محبت کے ثبوت کے لئے وہ نفرت نظر بھی آئے ورنہ خدا کی قسم! صرف محبت کے دعوے کرنے والوں کے سارے اعمال غارت ہو جائیں گے۔ اللہ کا صریح فرمان ہے کہ:

"اے ایمان والو! میرے اور
اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ:

"ظالموں کی طرف مائل نہ ہونا
ورنہ تم کو آگ پکڑے گی۔"

غرضیکہ قرآن کی آیات سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے نفرت ایمان کا حصہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جب مسلمان اللہ کے واسطے سب سے ناراض ہوئے تو اللہ ان سے راضی ہوا۔ اس کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ جو دوستی نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ کے مخالف سے' اگرچہ باپ بیٹے ہی ہوں' وہی سچے ایمان والے ہیں۔ ان کو یہ درجے ملیں گے کہ اللہ ان سے راضی اور یہ اللہ سے راضی اور حزب اللہ بھی یہی ہیں اور فلاح بھی یہی لوگ پائیں گے۔

صحابہ کرامؓ کی نشانی یہی تھی کہ اللہ اور رسولؐ کے معاملہ میں کسی بھی چیز اور کسی بھی شخص کی پرواہ نہیں کرتے تھے' اسی سلسلہ میں حضرت ابو عبیدہؓ نے جنگ بدر میں اپنے باپ کو' مصعب بن عمیرؓ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر کو' عمر بن خطاب نے اپنے ماموں کو' حضرت علیؓ ' حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہ ابن حارثؓ نے اپنے اقارب عتبہ' شیبہ اور

ولید بن عتبہ کو قتل کیا اور رئیس المنافقین کے بیٹے عبداللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اجازت دی جائے تاکہ میں اپنے باپ عبداللہ بن ابی کا سر قلم کردوں' لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

غرضیکہ کوئی واقعہ تاریخ اسلام میں سچے مومن مسلمان کے حوالہ سے ایسا نہیں ملتا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخوں سے نفرت کو ایمان کا تقاضا نہ سمجھا ہو۔ افسوس ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کے دلوں میں محبت رسول ﷺ موجود تو ہے لیکن اس پر غفلت کے پردے اس قدر چڑھ چکے ہیں کہ وہ محبت مدہم پڑ گئی ہے اور اب اس کو پھونک مارنے کی ضرورت ہے۔ جب محبت رسول ﷺ ایمان والوں کے قلوب میں چمکے گی اور غفلت کے پردے اٹھیں گے تو گستاخ رسول کے ساتھ انشاء اللہ نفرت کا باب بھی کھل جائے گا' جس کے نہ ہونے کی وجہ سے صرف محبت کے دعوے سے ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔ کاش کہ ہم مسلمان اس طرف توجہ کرتے اور سوچتے کہ قادیانی اور ان کے آقا ایک ہی راستہ پر چل رہے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کو جو خالصتاً انسانیت کے چہرہ پر بدنما داغ ہے' تاویلوں اور بہانوں سے اس کے خیالات فاسدہ کو پھیلا رہے ہیں یا پھیلانے کا سبب بن رہے ہیں۔ اگر مسلمان تھوڑی سی توجہ بھی کریں اور قادیانیوں کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھیں تو انشاء اللہ قادیانیت ختم ہوسکتی ہے۔ کاش کہ ہم مسلمان مجموعی طور پر اس مسئلے کی طرف توجہ دیتے اور قادیانیوں کا قلع قمع کرتے!!!

☆☆..........☆☆

انصاف:

اگر میں منصف ہوں اور میرا نامہ اعمال آپ کے سامنے پیش ہو کہ:

☆ میں نے احکام خدا کا مذاق اڑایا۔

☆ قرآن کریم اور سنت رسول کے خلاف عمل کیا۔

☆ سود' جوا' ذخیرہ اندوزی اور رشوت میں عمر گزاری۔

☆ ہمسایہ کو تکلیف' والدین کو اذیت دی' اور نافرمانی کی۔

☆ اسراف و فمائش میں مال برباد کیا' اور خیرات کے نام پر کوڑی بھی خرچ نہ کی۔

☆ غیبت' بہتان' نفاق' بغض و حسد میری عادت رہی۔

☆ نام و نمود اور شہرت کیلئے کار خیر میں حصہ لیا۔

☆ زکوٰۃ ادا نہ کی اور مال کو دنیاوی رسوم پر خرچ کیا۔

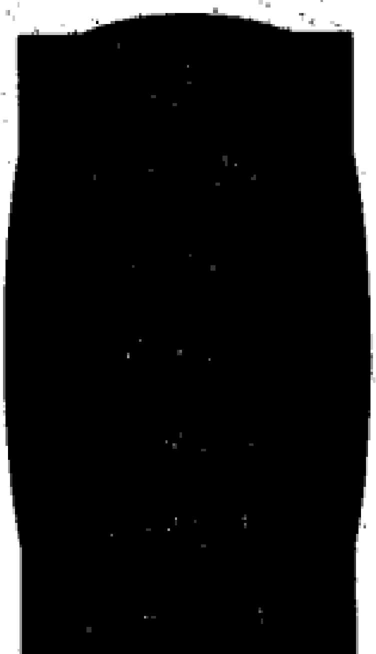

مساجد کیلئے خاص رعایت

جبار کارپٹس

پتہ:

این آر ایونیو' نزد حیدری پوسٹ آفس بلاک "جی" برکات حیدری' ناظم آباد

فون: 6646888-6647655 فیکس: 0921-21-5671503

E-mail :jabbarcarpet@cyber.net.pk

دوسری قسط

"محمد رسول اللہ" کا قادیانی تصور

مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

مجھے چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی جماعت کے عقائد کو ذکر کرنا ہے' ان کی تردید مقصود نہیں' اس لئے میں اس پر بحث نہیں کروں گا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے "بعثت ثانی" اور "بروز" وغیرہ کا تخیل کہاں سے مستعار لیا ہے' نہ اس وقت مرزا غلام احمد قادیانی کے استدلال سے بحث کرنا ہی میرے پیش نظر ہے۔

البتہ گزارش بے محل نہ ہوگی کہ یہ عقیدہ سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے اختراع کیا' ورنہ تیرہ صدیوں میں کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے' چنانچہ قادیانی جماعت کا آرگن روزنامہ "الفضل" لکھتا ہے:

"آج تک کے مسلمانوں میں سے کسی نے بھی یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے متعلق بیان نہیں کی' اور نہ ہی اس حقیقت سے حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) سے پہلے کوئی شخص واقف اور شناسا ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں ہیں تمام دنیائے اسلام میں صرف آپ (مرزا قادیانی) ہی کا ایک وجود ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا اظہار آپ کی دو بعثتوں کی حیثیت میں کیا چنانچہ آپ (مرزا قادیانی) تحفہ گولڑویہ کے ایڈیشن اول کے صفحہ ۹۴ پر تحریر فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بعث ہیں یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک بروزی رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوبارہ آنا دنیا میں وعدہ دیا گیا تھا جو مسیح موعود اور مہدی معہود کے ظہور سے پورا ہوا۔" (یہاں الفضل نے مرزا صاحب کے دو حوالے نقل کئے ہیں جن کو میں اوپر ذکر کر چکا ہوں' ناقل)۔"

(الفضل قادیان ۲۴/جنوری ۱۹۳۱ء بحوالہ قادیانی مذہب ص ۵۷۵ طبع پنجم)

"الفضل" کو اعتراف ہے کہ تیرہ سو سالہ امت' مرزا غلام احمد قادیانی کے اس عقیدہ کی قائل تو کجا؟ اس سے واقف اور شناسا بھی نہیں تھی' لیکن مرزا غلام احمد قادیانی کا کہنا ہے کہ یہ عقیدہ قرآن کی نص صریح سے ثابت ہے اور یہ کہ جو شخص اس سے انکار کرے وہ اندھا' حق کا منکر اور قرآن کا منکر ہے (دیکھئے حوالہ نمبر۱) اب یہ فیصلہ خود اہل عقل کو کرنا چاہئے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ عقیدہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی؟ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی "قادیانی بعثت" کا عقیدہ اپنا کر سبیل المومنین (اہل ایمان کے راستے) کی پیروی کی ہے یا وہ اس سے ہٹ کر کسی اور ہی راہ پر چل نکلے ہیں؟

قادیانی بعثت کے آثار ونتائج:

"محمد رسول اللہ" کا دنیا میں دوبارہ آنا (اور پھر قادیان میں مبعوث ہوکر مرزا غلام احمد کی شکل میں ظاہر ہونا) اپنے جلو میں اور ابھی چند ایک عقائد رکھتا ہے' جن کے مرزا قادیانی اور ان کی جماعت کے لوگ قائل ہیں۔ ان سے پہلے دنیا کا کوئی مسلمان اس کا قائل نہ تھا نہ اب ہے بلکہ تمام امت مسلمہ ان عقائد کو کفر صریح سمجھتی رہی ہے۔

عقیدہ (۱): خاتم النبیین کے بعد عام گمراہی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کی خاتمیت کا تقاضا ہے کہ آپ کا لایا ہوا دین رہتی دنیا تک قائم ودائم رہے۔ نہ آپ کی لائی ہوئی کتاب ہدایت دنیا سے مفقود ہو اور نہ آپ کی امت کبھی گمراہی پر جمع ہو جیسا کہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے مرزا غلام احمد قادیانی نے "محمد رسول اللہ کی بعثت ثانیہ" کا روپ دھارنے کے لئے یہ نظریہ ایجاد کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جو ہدایت لے کر آئے تھے وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بعثت ثانیہ کا دور (۱۳۰۱ھ) شروع ہونے سے پہلے یکسر مٹ چکی تھی دنیا میں چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا' زمین میں نہ دین تھا' نہ ایمان تھا' نہ ہدایت تھی' نہ کتاب ہدایت تھی اور یہ سب کچھ دنیا کو

مرزا غلام احمد قادیانی کے بدولت دوبارہ نصیب ہوا
مختصر یہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا بعثت ثانیہ کا عقیدہ
تب ممکن ہے جب کہ پہلے یہ عقیدہ رکھا جائے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی بعثت کا نور بجھ چکا
تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کا چراغ
گل ہو چکا تھا' اس آفتاب رسالت کے بعد بھی دنیا
میں عام تاریکی پھیل چکی تھی' اور آپ صلی اللہ علیہ
وسلم کے بعد بھی پوری کی پوری دنیا گمراہ ہو چکی تھی۔
یہ عقیدہ صحیح ہے یا غلط؟ برا ہے یا بھلا؟ اس کا فیصلہ بھی
آپ عقل خداداد سے خود ہی کیجئے' میں صرف یہ عرض
کروں گا کہ یہ عقیدہ بھی کسی زمانے میں کسی مسلمان
کا نہیں رہا' نہ ہو سکتا ہے' البتہ مرزا غلام احمد قادیانی
یہی عقیدہ رکھتے تھے اور وہ اسی عقیدہ کی تلقین اپنی
جماعت کو بھی کرتے رہے' کیونکہ یہی عقیدہ ان کے
''ظل و بروز'' کی عمارت کا بنیادی پتھر ہے' چند
حوالے ملاحظہ فرمایئے:

۱:...... ''آیت انا علی ذھاب به
لقادرون'' میں ۱۸۵۷ء کی طرف اشارہ
ہے...... جس کی نسبت خدائے تعالیٰ آیت
موصوفہ بالا میں فرماتا ہے کہ'' جب وہ زمانہ
آئے گا تو قرآن زمین پر سے اٹھالیا جائے
گا' سو ایسا ہی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی
حالت ہو گئی تھی...... ''قرآنی تعلیم ایسے لوگوں
کے دلوں سے مٹ گئی ہے کہ گویا قرآن
آسمان پر اٹھالیا گیا ہے' وہ ایمان جو قرآن
نے سکھلایا تھا اس سے لوگ بے خبر ہیں' وہ
عرفان جو قرآن نے بخشا تھا اس سے لوگ
غافل ہو گئے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ قرآن
پڑھتے ہیں مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے
نہیں اترتا انہیں معنوں سے کہا گیا ہے آخری
زمانہ میں قرآن آسمان پر اٹھایا جائے گا' پھر
انہیں حدیثوں میں لکھا ہے کہ پھر دوبارہ
قرآن کو زمین پر لانے والا ایک مرد فارسی
الاصل ہو گا (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی' ناقل)
یہ حدیث درحقیقت اسی زمانہ کی طرف اشارہ
کرتی ہیں جو آیت ''انا علی ذھاب به
لقادرون'' میں اشارۃً بیان کیا گیا ہے۔''
(ازالہ خورد قادیان ص۲۲۷ ص۲۷۲
روحانی خزائن حاشیہ ص۴۸۹ تا ۴۹۲ ج ۳)
مرزا غلام احمد قادیانی کے منجھلے صاحبزادے
مرزا بشیر احمد ایم اے لکھتے ہیں:

۲:...... ''جس طرح ہر ایک دن کے
بعد رات کا آنا ضروری ہے' اسی طرح ہر
ایک نبی کے بعد' جس کے زمانہ میں اللہ
تعالیٰ کی طرف سے دنیا پر نور کا نزول ہوتا
ہے' ایسے زمانہ کا آنا بھی ضروری ہے جو
اندھیرے سے مشابہت رکھتا ہو۔''
(کلمۃ الفصل ص۹۶)

۳:...... ''مسیح موعود (مرزا غلام احمد
قادیانی) اس زمانہ میں مبعوث کیا گیا جب
دنیا میں چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تھا
اور بر و بحر میں ایک طوفان عظیم برپا ہو رہا تھا'
مسلمان جن کو خیر الامت کا خطاب ملا تھا نبی
عربی کی تعلیم سے کوسوں دور جا پڑے
تھے...... تب یکایک آسمان پر سے ظلمت کا
پردہ پھٹا اور خدا کا ایک نبی (مرزا غلام احمد
قادیانی) فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ
رکھے ہوئے زمین پر اترا۔''
(کلمۃ الفصل ص۱۰۰'۱۰۱)

۴:...... ''جیسے عیسیٰ کے زمانے کے
لوگ باوجود تورات کے حامل ہونے کے در
حقیقت موسیٰ کے دین کے پیرو نہ رہے تھے
اور جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ کے عیسائی صرف نام کے عیسائی تھے
ورنہ عیسیٰ ان سے بیزار تھا اور وہ عیسیٰ سے
بیزار۔ اسی طرح مسیح موعود (مرزا غلام احمد
قادیانی) کا وقت پانے والے مدعیان
اسلام اس مذہب سے دور جا پڑے تھے
جس مذہب کو فاران کی چوٹیوں پر سے
اترنے والا آج سے تیرہ سو سال پہلے دنیا
میں لایا۔'' (کلمۃ الفصل ص۱۰۲)

۵:...... ''سچ ہے اگر مسلمان اسلام
پر قائم ہوتے تو کیا ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ
مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) کو بھیجتا
مگر نہیں! اللہ تعالیٰ جو دلوں کے بھیدوں
سے واقف ہے خوب جانتا تھا کہ ایمان دنیا
سے مفقود ہے اور اسلام صرف زبانوں تک
محدود۔ اسی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی
ہے کہ' ایک وقت آئے گا جب ایمان دنیا
سے اٹھ جائے گا تب اللہ تعالیٰ ایک فارسی
النسل کو کھڑا کرے گا تاکہ وہ نئے سرے
سے لوگوں کو اسلام پر قائم کرے'' ایمان
واقعی ثریا پر چلا گیا تھا' مسیح موعود (مرزا)
اسے پھر دنیا میں لایا۔''
(کلمۃ الفصل ص۱۰۲)

۶:...... ''ہم کہتے ہیں کہ قرآن
کہاں موجود ہے؟ اگر قرآن موجود ہوتا تو
کسی کے آنے کی کیا ضرورت تھی' مشکل تو یہی
ہے کہ قرآن دنیا سے اٹھ گیا ہے اسی لئے تو
ضرورت پیش آئی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو بروزی طور پر (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں) دوبارہ دنیا میں مبعوث کرکے آپ پر قرآن شریف اتارا جاوے۔" (کلمۃ الفصل ص۱۷۳)

الغرض دوسرے بعثت کے عقیدہ سے پہلے یہ عقیدہ ضروری ٹھہرا کہ رسالت محمدی کا آفتاب دنیا کے مطلع سے ڈوب چکا تھا اس کی کوئی روشنی باقی نہ تھی نہ ایمان تھا' نہ اسلام تھا' نہ قرآن تھا' چاروں طرف بس اندھیرا ہی اندھیرا تھا' یہ سب کچھ مرزا قادیانی کی بعثت کے طفیل دوبارہ ملا۔

عقیدہ۲ پہلی اور دوسری بعثت کا الگ الگ دور:

جب مرزا غلام احمد قادیانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو الگ الگ بعثتیں ذکر کیں' یک کی بعثت بشکل محمد اور دوسری قادیانی بعثت بشکل غلام احمد' تو لامحالہ ان دونوں بعثتوں کا دور بھی الگ الگ ہوگا۔ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ ہے کہ چودھویں صدی سے دوسری بعثت کا دور شروع ہوتا ہے اور یہ کہ تیرھویں صدی کے آخر میں پہلی بعثت کی تمام برکات ختم ہوگئی تھیں' حتیٰ کہ قرآن' ایمان اور اسلام بھی کچھ اٹھ چکا تھا' اور یہ سب کچھ امت کو دوسری بعثت کے دم قدم سے دوبارہ نصیب ہوا۔ اس سے از خود یہ نتیجہ نکل آتا ہے کہ تیرھویں صدی پر کی بعثت کا دور ختم ہوچکا اور اب چودھویں صدی سے قادیانی بعثت کا دور شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا انسانیت کی نجات وفلاح کے لئے کی بعثت کالعدم قرار پاتی ہے' اور اسلام کا صرف وہی ایڈیشن معتبر' قابل عمل اور موجب نجات ٹھہرتا ہے جس پر قادیانی بعثت کی مہر ہو' چنانچہ مرزا بشیر احمد قادیانی لکھتے ہیں:

"اور پھر ہمیں تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اسلام کیسا اسلام ہے جو انسان کو نجات نہیں دلا سکتا' کیونکہ ہم حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد) کے صریح الفاظ میں لکھا ہوا پاتے ہیں کہ میرے ماننے کے بغیر نجات نہیں' جیسا کہ آپ اربعین نمبر۳ صفحہ۳۲ (خزائن ص۴۲۱ ج۱۷) پر تحریر فرماتے ہیں کہ: ایسا ہی یہ آیت واتخذوا من مقام ابراھیم مصلیٰ' اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب امت محمدیہ میں بہت فرقے ہوجائیں گے' تب آخری زمانہ میں' ایک ابراہیم (مرزا غلام احمد) پیدا ہوگا' اور ان سب فرقوں میں سے وہ فرقہ نجات پائے گا کہ اس ابراہیم کا پیرو ہوگا۔"

(جاری ہے)

TRUSTABLE MARK
HB ®
Hameed ® BROS JEWELLERS
3, Mohan Tarrace Sharhah-e-iraq Saddar Karachi. Code: 74400
Phone : 5675454, 5215551 Fax : (092-21) -5671503

تمنائے ساحر

جناب ساحر کانپوری

یہی آرزو ہے کہ اے خدا درِ مصطفیٰ پہ قیام ہو
وہیں رات اپنی بسر کروں وہیں صبح ہو وہیں شام ہو

مرے دل میں آپ کی یاد ہو مرے لب پہ آپ کا نام ہو
یہ مری عبادت صبح ہو یہ مراد وظیفۂ شام ہو

یہ دعا ہے میری کہ اے خدا وہی میکدے کا نظام ہو
وہی منظر طرف آفریں وہی بادہ ہو وہی جام ہو

جو بہار گلشن خلد ہے جو رخ رسولؐ سے ہے عیاں
اسی جلوے سے مجھے واسطہ اسی نور سے مجھے کام ہو

کبھی لب پہ نام رسول ہو کبھی لب پہ ذکر خدا رہے
یہ خدائے پاک سے ہے دعا مری عمریوں ہی تمام ہو

رخ آفتاب بھی کچھ نہیں رخ ماہتاب بھی کچھ نہیں
مرے چشم شوق کے سامنے وہ عرب کا ماہ تمام ہو

جو حیات اپنی بسر کریں جو ہم اتباع رسولؐ میں
یہی جسم مرکز نور ہو یہی عمر عمر دوام ہو

یہ خدائے پاک سے ہے دعا کہ درِ رسولؐ ہو اور میں
جو نگاہ وقت جمال ہو تو زبان وقف سلام ہو

یہ خدائے پاک کا ہے کرم ہوئے ہم رسولؐ کے امتی
جو خواص کو بھی نہ مل سکے وہ ہمارے واسطے عام ہو

بخدا ہے کتنا طرف فضا یہ پیام ساحرؔ بے نوا
تجھے خلد کی جو ہے آرزو درِ مصطفیٰ کا غلام ہو

REGD. NO. SS 160

فرما گئے یہ ہادی لا نبی بعدی

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام

دو روزہ 24 ویں سالانہ ختم نبوت کانفرنس چناب نگر

عظیم الشان

29 30 ستمبر 2005 بروز جمعرات جمعۃ المبارک بمقام مسلم کالونی چناب نگر

کانفرنس کے چند عنوانات

- توحید باری تعالیٰ
- سیرت خاتم الانبیاء
- مسئلہ ختم نبوت
- حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام
- عظمت صحابہ و اہل بیت
- اتحاد امت
- قادیانیت اور اسلام
- قادیانیت کے عقائد وعزائم
- مرزائیوں کی اسلام دشمنی اوران کی دہشت گردی
- رد قادیانیت اور جہاد

جیسے اہم موضوعات پر علماء، مشائخ، قائدین دانشور اور قانون دان خطاب فرمائیں گے اہل اسلام سے شرکت کی درخواست ہے

کانفرنس کو کامیاب بنانا تمام مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے

زیر سرپرستی

شیخ المشائخ خواجہ خواجگان حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ العالی

امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

سالانہ رد قادیانیت وعیسائیت کورس مدرسہ ختم نبوت مسلم کالونی چناب نگر میں ۷ شعبان تا ۲۵ شعبان منعقد ہوگا (انشاء اللہ)

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت مسلم کالونی چناب نگر تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ

رابطہ
چناب نگر 04524-212611
ملتان 061 - 514122